

جاسوسی دنیا

91- ستاروں کی موت

92- ستاروں کی چٹخیں



پیشترس

جاسوسی ناولوں کے ناموں سے اکثر مغالطہ بھی ہو جاتا ہے۔ مثال کے طور پر ”ستاروں کی موت“ ہی کو لے لیجئے۔ ”اشاروں کے شکار“ میں اس کا اعلان ہوا تھا اور بعض پڑھنے والوں نے اس کے متعلق اپنی پیش گوئیاں مجھے بھی لکھ بھیجی تھیں۔ سبھی اس بات پر متفق تھے کہ یہ سائنس فکشن ہوگا۔ یعنی دنیا کے چند ایسے نالائق سائنسدان جنہیں ان کے والدین نے عاق کر دیا۔ بعض ستاروں پر جالبیس گے اور وہاں وہ اودھم مچائیں گے کہ ستارے اپنے محوروں سے ہٹ کر ایک دوسرے سے ٹکرائیں گے اور فنا ہو جائیں گے۔ اس طرح ”ستاروں کی موت“ بھی واقع ہو جائے گی اور میں اپنے پیسے کھرے کر کے گھر کی راہ بھی لوں گا۔

لیکن معاف کیجئے گا ایسا نہیں ہو سکا۔ اس لئے کہ میں واقعی لکھنے کے موڈ میں تھا۔ اگر لکھنے کے موڈ میں نہ ہوتا تو سچ جُج یہ سائنس فکشن ہی بن جاتا۔ یقین کیجئے میں نے اپنے وہ سائنس فکشن جنہیں میں قطعی طور پر سائنس فکشن کہنے کو تیار نہیں ایسے ہی موڈ میں لکھے ہیں۔ ان پر زیادہ محنت نہیں کرنی پڑتی۔ مکھی پر مکھی مارتے چلے جائیے۔ اختتام تک پہنچتے پہنچتے ایک عدد سائنس فکشن تیار ہو جائے گا۔ ہو سکتا ہے کبھی بوریت کے عالم میں پھر ایک

آدھ سائنس فکشن گھسیٹ دوں۔

”اکثر پڑھنے والے فرمائش کرتے رہے ہیں کہ ”عمران اور اُس کی ٹیم کو بھی چاند پر لے جاؤں۔“ لیکن میری سمجھ میں نہیں آتا کہ امریکہ اور روس ابھی تک چاند ہی کا مسئلہ نہیں طے کر پائے۔ ستارے تو بہت دور ہیں۔ ویسے یہ ممکن ہے کہ فریدی تسخیر جن کے لئے چلہ کشی کرے اگر شہنشاہ جنات قابو میں آجائے تو اس سے استدعا کرے کہ بھی پہنچا دے مریخ یا زہرہ تک۔ اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں۔ یا پھر کوئی ایسی مشین ایجاد کی جائے جس کے ذریعہ مسلم آدمی ٹرانسمٹ ہو سکیں..... آدمی کو مشین میں بند کر کے بٹن دبایا اور وہ کھٹاک سے مریخ کے لئے ٹرانسمٹ ہو گیا..... (معاذ اللہ)

دراصل اس طرح کی مشین بناتے ہوئے اب کچھ شرم سی آنے لگی ہے۔ غالباً آپ وہ مشین ابھی تک نہ بھولے ہوں گے جو آدمیوں کو پیس کر بن مانس بنا دیا کرتی تھی۔ (اللہ مجھے معاف کرے..... جی چاہے تو حوالے کے لئے میرا ناول جنگل کی آگ دیکھ لیجئے۔)

ویسے بڑا جی چاہتا ہے کہ آدمی کو سچ جُج آدمی بنانے کی کوئی مشین ایجاد کر سکوں، بہر حال کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ”ستاروں کی موت“ سائنس فکشن نہیں بلکہ فلمی ستاروں کی کہانی ہے۔

ادھر کچھ دنوں سے ایسی فرمائشات وصول ہو رہی ہیں کہ ویسے ہی ناول لکھے جیسا فلاں لکھا تھا..... غالباً اس قسم کی فرمائش

کے سلسلے میں پہلے بھی کسی پیشرس میں اظہار خیال کر چکا ہوں کہ یہ میرے بس کی بات نہیں۔ اس قسم کی فرمائشات نہ پڑھنے والوں کو فائدہ پہنچا سکتی ہیں اور نہ لکھنے ہی والے کو۔ اور پھر میرے پڑھنے والوں کا یہ عالم ہے کہ ”بلی چیختی ہے“ پڑھ کر ایک صاحب نے مجھے لکھا تھا کہ ”چٹانوں میں فار“ میں آپ نے ”لی یوکا“ کی کہانی لکھی تھی۔ لہذا اسے ”لی یوکی“ کی کہانی سمجھنا چاہئے۔ گویا یہ مجھ پر پلاٹ کے اعادہ کا ڈھکا چھپا الزام ہے۔

پھر بتائیے ایسی صورت میں جبکہ پچھلے ناولوں کی طرز کے ناول لکھنے لگوں تو کیا حشر ہوگا میرا آپ کے ہاتھوں۔

بس اسی شاعر کا سا حال ہوگا جس کی کوئی ایک نظم کافی مقبول ہوئی تھی۔ اب وہ بے چارہ جس مشاعرے میں بھی پڑھنے بیٹھتا ہے اسی ایک نظم کی فرمائش شروع ہو جاتی ہے۔ ہر چند کہ اس بار نئی نظم لایا تھا لیکن مجبوراً وہی نظم سنائی پڑتی ہے۔ خوب شہرت پاتی ہے وہ نظم..... لیکن کچھ دنوں کے بعد اس کے مداح کہنا شروع کر دیتے ہیں ”اماں اب کیا رکھا ہے اس کے پاس..... دو چار نظمیں تھیں سو ختم ہو چکیں..... وہ مر چکا ہے۔“

لہذا مجھے اپنے طور پر لکھنے دیجئے۔ اسی صورت میں آپ مجھے زیادہ دنوں تک زندہ رہنے دیں گے۔ یعنی میں آپ کو کوئی نئی کہانیاں دے سکوں گا۔

ابن صفی

۱۴ اکتوبر ۱۹۶۳

دو کیپ

کچھ دیر بعد پھر گہرے بادلوں نے فضا پر محیط ہو کر وہاں خوشگوار سی خنکی پھیلا دی..... لیکن اتنی میں نظر آنے والے درختوں کی سبز لکیر پر اب بھی دھوپ چمک رہی تھی۔ اس بار ہوا کے جھونکے اپنے ساتھ بوندیں بھی لائے تھے۔

چھو لدا ریوں کے پردے پھڑ پھڑانے لگے..... کئی گھوڑے بیک وقت جہنمائے۔ پھر سناٹا چھا گیا اور آس پاس نکھرے ہوئے خشک پتوں کے ڈھیر تیزی سے آنے والی بڑی بڑی بوندوں سے بجتے رہے۔ پھر عرصہ سے پڑی ہوئی خشک زمین سے سوندھی سوندھی خوشبو اٹھنے لگی۔ چھو لدا ریوں کے پردے اٹھا دیئے گئے اور ایک پستہ قد آدمی ہاتھ میں بیڑ کا بڑا سا جگ سنبھالے ہوئے باہر نکل آیا۔ یہ مشہور فلمی کومیڈین مردنگ تھا۔ پتہ نہیں اس نے اپنے لئے یہ نام کیوں منتخب کیا تھا جبکہ جش کے اعتبار سے سو فیصدی ڈھولک معلوم ہوتا تھا۔

اس نے اپنا جگ آسمان کی طرف اٹھا کر قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔ ”وٹس یو گڈ لک مائی سوٹ انجیلز آف پر سے ٹی ایسٹ ڈریمیز.....!“

وہ چھو لدا ریوں میں چلا گیا۔

یہ لوگ یہاں دو دن سے رہیں کر رہے تھے۔ فلم کا نام تھا ”نچو گتا“ اور وہ یہاں نچو گتا کے اغوا کا منظر فلم بند کرنا چاہتے تھے۔

ہیروئن نے معاہدہ کرنے سے قبل ڈائریکٹر سے صاف کہہ دیا تھا کہ وہ مشہور ہیروکل کمار کے علاوہ اور کسی کے ساتھ کام کرنا پسند نہ کرے گی۔ لہذا کل کمار پر تھوری راج کارول ادا کر رہا تھا..... ویسے اگر ہیروئن کی نانی کو علم ہو جاتا کہ ہیروئن نے ایسی کوئی شرط پیش کی ہے تو وہ اسے معاہدے کے کاغذات پر دستخط ہی نہ کرنے دیتی کیونکہ وہ ہیروئن کو کڑی نگرانی میں رکھتی تھی۔ پتہ نہیں کن دشواریوں کے ساتھ ہیروئن اپنی یہ شرط بصورت پیغام ڈائریکٹر تک پہنچا سکی تھی۔

اب یہاں اس کمپ میں اس کی نانی بھی موجود تھی۔ تنہا نہیں..... اپنے ساتھ دو باڈی گارڈز بھی رکھتی تھی۔

مردنگ اکثر ان پر فقرے کستا اور نانی تمللا کر رہ جاتی۔ بات یوں نہ بڑھاتی کہ مردنگ اول درجہ کا بے حیا اور مہلکو تھا۔ وہ اسے ان دنوں کو یاد دلانے کی کوشش کرتا جب وہ ایک شہر کے چوک میں بڑا شہرہ رکھتی تھی۔ ہیروئن کی نانی اپنے ماضی میں جھانکنے پر تیار نہ ہوتی۔

وہ یہی محسوس کرنا چاہتی جیسے یہ فلمی سینہ ہمیشہ سے اس کے پیچھے دم ہلاتے آئے ہوں۔ بی بی..... بی بی کہتے۔ ان کے منہ سوکتے رہے ہوں۔ لیکن مردنگ سے وہ کسی طرح بچتی۔ بھانڈو تو بڑے بڑے شہنشاہوں کو بھی منہ چڑا کر بچ نکلتے تھے۔ لہذا اس کی باتیں بھی ہنسی میں اڑ جاتیں۔ بظاہر وہ بھی مسکراتی ہی رہتی لیکن دل یہی چاہتا کہ کسی طرح اسکے ٹکڑے اڑا دے۔ ہیروکل کمار سنجیدہ آدمی تھا اور روزانہ زندگی میں بھی بے حد رومینٹک نظر آتا۔ سگریٹ سلگانے کے لئے کسی سے دیا سلائی طلب کرتا تو اس میں بھی اداکاری کی جھلکیاں نظر آتیں۔

جب لوگ کسی بات پر قہقہہ لگاتے تو اس کے چہرے سے ظاہر ہوتا جیسے مسکرانے کا ارادہ کر رہا ہو..... پھر جب دوسرے خاموش ہو جاتے تو اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ نظر آتی اور اس طرح غائب ہو جاتی جیسے کسی اجازت دیرانے میں کوئی ہلکی سی آواز ڈوب گئی ہو۔

کئی دنوں کی سخت تپش کے بعد بادل آئے تھے۔ وہ وہیں کھڑا بیڑ پیتا رہا۔ بوندیں جتنی تیزی سے آئی تھیں اسی طرح اچانک غائب بھی ہو گئیں اور پھر تھوڑی دیر بعد زمین سے اٹھنے والی سوندھی خوشبو ذہن پر گراں گزرنے لگی۔ کیونکہ اس کے ساتھ ہی زمین سے گویا آج سی نکلتے لگی تھی۔ دو تین آدمی اور چھو لدا ریوں سے نکل آئے اور ان میں سے ایک نے ہاتھ ہلا کر غصیلی آواز میں کہا۔ ”مردنگ تم منحوس ہو..... سو فیصدی منحوس۔“

”وہ کیوں جناب..... ڈائریکٹر صاحب.....!“ مردنگ نے مضحکہ اڑانے کے سے انداز میں پوچھا۔

”تم جس بات کی خواہش کرتے ہو وہ نہیں پوری ہوتی۔“

”ہنہ.....!“ مردنگ آگے پیچھے جھولتا ہوا گنگنا نے لگا۔

”ڈوبنے جاؤں تو دریا طے پایاب مجھے۔“

”میں آج ایلو پینٹ سیکوئینس ضرور ٹیک کروں گا۔“ ڈائریکٹر نے بائیں ہتھیلی پر گھونسنہ

مار کر کہا۔

”آسمان کی طرف دیکھو.....“ مردنگ انگلی اٹھا کر بولا۔

”ابھی دھوپ نکلی آتی ہے.....!“ ڈائریکٹر بولا۔

”ہرگز نہیں نکلے گی۔“

”ہرگز نہیں۔“ مردنگ کے ہونٹوں پر شریر سی مسکراہٹ تھی۔

”تم نشے میں ہو اس لئے میں تم سے بات نہیں کرنا چاہتا۔“ ڈائریکٹر نے نفرت سے

ہونٹ سکڑ کر کہا۔

”آج مجھے بیڑ سے نشہ ہو گیا ہے..... کل تمہیں سادہ پانی ہی چت کر دے گا۔ سب کچھ

ہوسکتا ہے۔“ مردنگ سنجیدگی سے بولا۔

”جاؤ.....!“ ڈائریکٹر نے پیچھے کھڑے ہوئے آدمیوں میں سے ایک کو مخاطب کیا۔

”تیار کرو۔“

ہیروئن آشا اس کے برخلاف بڑی شوخ تھی۔ ذرا ذرا سی بات پر ہنس دیتی خواہ بات ہنسی کی ہو یا نہ ہو۔ بولنے پر آتی تو بولتی ہی چلی جاتی گفتگو کے دوران میں اس کی آنکھیں زندگی سے بھرپور نظر آتی تھیں۔ خصوصیت سے اس وقت ان کی چمک پہلے سے بھی زیادہ بڑھ جاتی جب وہ مکمل کمار سے گفتگو کر رہی ہوتی۔

ثانی اُسے خونخوار نظروں سے گھورتی رہتی۔ ایسا لگتا جیسے اب کہہ اٹھے گی ”اری کم بخت تو آنکھیں بند کر کے باتیں کیوں نہیں کرتی۔“

ریسرل کے دوران تو سچ مچ چڑھ دوڑتی تھی۔ آشا اور مکمل کمار مکالموں کی مشق کرتے اور وہ بیٹھی جھلپتی رہتی..... پھر ضبط کے بند ٹوٹ جاتے اور وہ کھر کھراتی ہوئی آواز میں کہتی۔

”ارے تو اس پر لدی کیوں پڑ رہی ہے۔“

ڈائریکٹر احتجاجاً ہاتھ اٹھا کر کہتا۔ ”بی بی پلزی..... فرگازڈ سیک.....!“

”ارے تم بڑے ڈائریکٹر بنے پھرتے ہو۔“ وہ ہاتھ نچا کر کہتی۔ ”یہ مکالمہ اسی طرح ادا ہوگا۔“

”ہاں ہاں..... میں دیکھ رہا ہوں۔ آپ خدا کے لئے چپ بیٹھئے۔“ ڈائریکٹر بے بسی سے کہتا اور وہ پھر ان دونوں کو گھورنے لگتی۔

انواء کے منظر کے لئے اس نے بڑے ہاتھ پاؤں مارے تھے کہ اسے اسکرپٹ سے خارج کر دیا جائے۔ اس کی بجائے دوسرے کرداروں کی گفتگو کے ذریعے تماشائیوں کے ذہن نشین کرایا جائے کہ پرتھوی راج رنجوگتا کو لے گیا۔

ڈائریکٹر اس پر تیار نہیں ہوا تھا۔ دوسرے لوگ بھی اسے سمجھانے بیٹھ گئے تھے کہ اس صورت میں فلم بے جان ہو کر رہ جائے گی۔ اور ثانی کے انداز سے ایسا معلوم ہونے لگا تھا جیسے کہنا چاہتی ہو کہ اچھا تو پھر کوئی اتنا بڑا گھوڑا تلاش کرو جس کی پشت پر ہم تینوں آجائیں۔

اب وہ کئی دن سے منتظر تھے کہ انواء کے منظر کی فلم بندی کیلئے موسم سازگار ہو جائے۔

لیکن اس وقت ڈائریکٹر جھلایا ہوا تھا۔ اس نے تہیہ کر لیا تھا کہ آج اس منظر کی فلم بندی ہو کر رہے گی۔ ٹرک تیار کھڑا تھا۔ ہیرو اور ہیروئن کا سٹیوم میں آگئے تھے۔ وہ گھوڑا بھی تیار تھا

جس پر دونوں کو بھاگنا تھا۔

اور..... ثانی..... وہ قریب ہی کھڑی مضطربانہ انداز میں ہاتھ مل رہی تھی اور آہستہ آہستہ ہیروئن سے کچھ کہتی بھی جا رہی تھی۔ لیکن دور سے دیکھنے والوں کی سمجھ میں صاف آ رہا تھا کہ وہ اس سے کیا کہہ رہی ہوگی۔ کس قسم کی ہدایات دے رہی ہوگی۔



کیپٹن حمید درخت کی سب سے اونچی شاخ پر بیٹھا مینڈولین بجا رہا تھا۔ مینڈولین یوں بجا رہا تھا کہ ذہن پر پروریت مسلط تھی اور درخت کی سب سے اونچی شاخ پر جا بیٹھنے کا مقصد یہی ہو سکتا تھا کہ اُسے ہرن کے کباب مرغوب ضرور تھے لیکن اس حد تک بھی نہیں کہ خود ہی ہرن کے پیچھے دوڑتا پھرے۔ پھر خود ہی شکار کرے۔ حتیٰ کہ خود ہی اس کی کھال بھی اتارے اور تب ہزار خرابی کباب میسر ہوں۔

یہاں کئی دن سے شکار ہو رہا تھا فریدی کئی دوستوں سمیت یہاں مقیم تھا۔ علاقے کے جاگیردار نے تو کہا تھا وہ قصبے ہی میں قیام کریں لیکن فریدی اس پر تیار نہیں ہوا تھا۔ جنگل ہی میں چھو لدا ریاں نصب کی گئی تھیں جن میں تھوڑے تھوڑے وقفے سے دن بھر مینڈولین کے نغمے گونجا کرتے تھے! حمید ایک دن بھی شکار کے لئے نہیں گیا تھا۔ ویسے وہ ان کی واپسی پر بڑے خلوص سے ان کا استقبال کرتا تھا۔ بشرطیکہ خالی ہاتھ نہ آئے ہوں۔

مینڈو کٹ بنیائیں اور خاکی چٹلون میں ملبوس کینواس کی فولڈنگ آرام کرسی میں پڑا پاپ بیا کر رہا تھا۔ پاپ کا تمباکو را کہ ہو جاتا تو مینڈولین اٹھا لیتا۔ کئی فلمی دھنیں اچھی خاصی بجا لیتا تھا۔

آج صبح فریدی کے احباب نے اُسے بھی ساتھ چلنے پر مجبور کیا تھا لہذا وہ مینڈولین کی اسٹرنگ گلے میں ڈال کر درخت پر جا چڑھا۔

مگر وہ کون تھی۔ حمید کو ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اُسے بہت دیکھا ہو۔ بڑی دلکش عورت تھی۔ بیہوشی کے عالم میں بھی ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی۔ قطعی نہیں معلوم ہوتا تھا کہ کچھ دیر پہلے وہ زندگی سے مایوس ہو کر کسی بے بس جانور کی طرح چیختی رہی ہوگی۔

اس نے سامنے نظر اٹھائی۔ گھوڑا تھوڑے ہی فاصلے پر پڑ رہا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ محض سوار کو گرا دینے کے لئے ہی الف ہوا ہو۔

حمید پھر بیہوش عورت کی طرف متوجہ ہو گیا۔ لیکن یہاں وہ کیا کر سکتا تھا۔ کپ یہاں سے تقریباً ایک فرلانگ کے فاصلے پر تھا۔ پہلے اس نے اُسے ہلایا جلا یا۔ لیکن جب اس سے کام نہ چلا تو سیدھا کھڑا ہو کر ہاتھ جھٹکتا ہوا بولا۔ ”تم لوگ مجھے اس دیرانے میں بھی چین نہ لینے دیتا..... اچھا۔“

پھر جھک کر اُسے ہاتھوں پر اٹھایا اور کپ کی طرف چل پڑا۔ ایک بار مڑ کر گھوڑے کو دیکھا تھا جواب بھی وہیں چر رہا تھا۔

شکار پر دو ملازم بھی ساتھ آئے تھے۔ انہوں نے حیرت سے منہ پھاڑ کر حمید کو دیکھا اور شاید اس کش مکش میں پڑ گئے کہ انہیں اس سلسلے میں کیا کرنا چاہئے۔

دفعتاً حمید دہاڑا۔ ”اندھے ہو کیا..... اسٹرینچر بچھاؤ جلدی سے۔“ دونوں بوکھلا کر ایک پھولداری میں جا گئے اور حمید اُسے ہاتھوں پر اٹھائے کھڑا رہا۔

وہ دونوں ایک فولڈنگ اسٹرینچر اٹھالائے اور اُسے ایک درخت کی چھاؤں میں بچھا دیا اور جب حمید بیہوش عورت کو اس پر لٹا رہا تھا انہوں نے ایک دوسرے کو معنی خیز نظروں سے دیکھا اور کسی قدر مسکرائے بھی۔

”پانی لاؤ.....!“ حمید نے مڑے بغیر کہا اور پرتھویش نظروں سے بیہوش عورت کو دیکھتا رہا۔ یاد نہیں آ رہا تھا کہ اُسے پہلے کہاں دیکھا تھا۔ حمید اس ملازم سے مخاطب ہوا جو وہیں کھڑا تھا۔

”کیا تم نے اُس کی چیخیں سنی تھیں۔“

”جی ہاں..... سنی تو تھیں۔“

اس دوران میں بڑی بڑی بوندیں بھی آئیں۔ زور کی ہوائیں بھی چلیں لیکن وہ جہاں تھا وہیں بیٹھا رہا۔ آج صرف بوریت ہی مسلط نہیں تھی بلکہ ذہن بھی جھنجھلاہٹ میں مبتلا تھا۔ تاؤ آ رہا تھا ان لوگوں پر جو شہر کی رنگینیاں چھوڑ کر دیرانوں میں جی بہلانے آتے ہیں۔ ویسے اگر شکار ہی کی ٹھہرے تو شہر کب جانوروں سے خالی ہے۔ بڑے سے بڑا سور مل جائے گا۔ البتہ اُسے جنگلی نہ کہا جاسکے گا۔ کیونکہ وہ تہذیب کے خول میں رہتا ہے۔

اس نے اپنی کھوپڑی پر جھپٹا مارا اور بُرا سامنہ بنا کر بڑبڑایا۔ ”اب فلسفہ ہونہہ۔ پھر کیا کیا جائے؟ اس نے سوچا۔“

ابھی کسی خاص ڈگر تک ذہن کی رسائی نہیں ہوئی تھی کہ اچانک اُسے چیخیں سنائی دیں۔ دور کی آواز معلوم ہوتی تھی۔ وہ چونک کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔

اب سنا تھا۔ لیکن وہ آوازیں اس کی پیشانی پر تشویش کا غبار چھوڑ گئی تھیں۔ دفعتاً پھر چیخیں سنائی دیں..... کوئی عورت متواتر چیخے جا رہی تھی۔ آواز بھی اب اتنی دور کی نہیں معلوم ہوتی تھی۔ پھر ایک دوسری آواز بھی ساعت سے قریب تر ہوتی رہی۔ یہ دوڑتے ہوئے گھوڑے کے ٹاپوں کی آواز تھی۔

وہ تیزی سے نیچے اترنے لگا۔ کیونکہ گھوڑا اُسے نظر آ رہا تھا۔ سامنے والی درختوں کی قطار سے نکل کر اس نے میدان کا ہی رخ کیا تھا اور اسی طرف جھپٹا آ رہا تھا۔

اس کی گردن سے چٹنی ہوئی عورت برابر چیخے جا رہی تھی۔

حمید جانتا تھا کہ بھڑک کے بھاگے ہوئے گھوڑے کو کیسے قابو میں کیا جاتا ہے۔ لیکن اس گھوڑے پر ہاتھ ڈالتے وقت اس نے محسوس کیا جیسے وہ محض اناڑی ہو۔ وہ اب سیدھا تو نہیں دوڑ رہا تھا لیکن اپنے ساتھ اُسے بھی گھسٹتا پھر رہا تھا کیونکہ اس نے اس کی لگام پکڑ رکھی تھی۔

گھٹنوں میں گہری خراشیں آئیں..... گر کر بھی گھسٹتا رہا..... پھر اٹھا۔ لیکن لگام نہ چھوڑی۔ عورت خاموش ہو گئی تھی۔

اور پھر وہ دھم سے زمین پر چلی آئی۔ حمید لگام چھوڑ کر اس کی طرف جھپٹا۔ وہ بیہوش تھی۔

”تو پھر تم وہاں کیوں نہیں پہنچے تھے۔“

”ہم سمجھے شاید آپ ہیں۔“

”دماغ خراب ہو گیا ہے۔“

”ہم نے سوچا شاید یونہی ہمیں پریشان کرنے کے لئے۔“

”اے وہ ایک عورت کی چٹخیں تھیں۔ شیر نہیں دھاڑ رہا تھا۔“

نوکر کچھ نہ بولا۔ ویسے وہ اپنی ہنسی ضبط کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

دوسرا ملازم گلاس میں پانی لے آیا۔ حمید گلاس اس کے ہاتھ سے لے کر عورت کے منہ پر

چھیننے دینے لگا۔ وہ ہڑبڑا کر چوکی تھی۔ لیکن آنکھیں نہیں کھولی تھیں۔

گلاس خالی ہو گیا۔ لیکن وہ ہوش میں نہیں آئی۔

”گھوڑا.....!“ دفعتاً حمید نوکروں کی طرف مڑ کر بولا۔ ”ٹیکرے کے قریب ایک گھوڑا چر

رہا ہے اُسے یہاں لاؤ۔“

وہ دونوں چلے گئے اور حمید عورت پر نظر جمائے وہیں کھڑا رہا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ آخر

دقیانوی محترمہ کو شہسواری کی کیوں سوچھی تھی اور پھر اس لباس میں..... سینکڑوں سال پرانی وضع

تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے قرون وسطیٰ کی کوئی بھنگی ہوئی روح دوبارہ عالم اجسام میں آ گئی ہو۔

شکاریوں میں ایک ڈاکٹر بھی تھا۔ حمید نے سوچا کاش وہ اس وقت موجود ہوتا۔ نوکر

گھوڑے کو وہاں لائے۔ اب وہ پرسکون ہو چکا تھا۔

ایک سوکھے ہوئے درخت کے ٹنڈ سے اُسے باندھ دیا گیا۔

کچھ دیر بعد حمید نے پھر اس کے منہ پر پانی کے چھینے دیئے۔ اس بار وہ نہ صرف چوکی

تھی بلکہ کچھ بے ربط سے جملے زبان سے بھی نکلے تھے۔

پھر کراہ کر کروٹ لی..... لیکن آنکھیں نہیں کھولیں۔ حمید نے پھر چھینے دیئے۔ چہرے پر

ناگواری کے آثار نظر آئے اور اس نے آنکھیں کھول دیں۔

وہ خلاء میں گھورے جارہی تھی پلکیں جھپکائے بغیر۔

حمید نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر نوکروں کو خاموش ہی رہنے کا اشارہ کیا۔

کچھ دیر بعد اس نے پھر آنکھیں بند کر لیں۔

”آپ محفوظ ہیں۔“ حمید نے جھک کر نرم لہجے میں کہا۔

”میں کہاں ہوں۔“ اس نے آنکھیں کھولے بغیر نحیف آواز میں پوچھا۔

”میرا خیال ہے کہ آپ کچھ دیر آرام کیجئے۔“ حمید نے نرم لہجے میں کہا۔

لیکن وہ بوکھلائے ہوئے انداز میں اٹھ بیٹھی۔ چاروں طرف دیکھا اور ہڈیانی انداز میں

چینی۔ ”کمل..... کمل کہاں ہے۔“

”آپ تنہا تھیں..... محترمہ۔“

”تنہا نہیں..... کمل کمار بھی تھا۔“

حمید خاموشی سے اُسے دیکھتا رہا۔

پھر اس نے اسٹریچر سے اترنا چاہا۔ لیکن حمید نے ہاتھ اٹھا کر اُسے اس سے باز رکھا۔

”کمل گر گیا تھا..... وہ گر گیا تھا..... وہ پھر کہاں ہے۔ کیا ہے؟“

”میں نے عرض کیا نا کہ گھوڑے کی پشت پر تنہا تھیں۔“

”مم..... میں..... اس کے پیچھے بیٹھی ہوئی تھی۔ گھوڑا تیزی سے دوڑ رہا تھا۔ میں نے کمل

کی کمر تھام لی تھی..... پھر ایک زوردار دھماکہ ہوا۔ گھوڑا بھڑک گیا۔ کمل چیخ مار کر گر گیا تھا۔ پھر

میں گھوڑے کی گردن سے لپٹ گئی تھی۔“

”آپ کمر تھامے ہوئے تھیں تو آپ کو بھی..... کیا نام ہے..... کمل کے ساتھ ہی گرنا

چاہئے تھا۔“

”ہاں ہونا تو یہی چاہئے تھا۔ پتہ نہیں کیوں نہیں ہوا۔ مجھے ہوش نہیں کہ پھر کیا ہوا۔ بس

میں اپنی جینیں ہی سنتی رہی تھی۔ آپ کون ہیں۔ میں کہاں ہوں۔ یہ ہمارا کیپ تو نہیں معلوم ہوتا۔“

”جی ہاں شکاریوں کا کیپ ہے۔ آپ کا کیپ کہاں تھا۔“

”میں جگہ کا نام نہیں جانتی۔“

”آپ نے ابھی کسی دھماکے کا تذکرہ کیا تھا۔“

”میرا خیال ہے کہ وہ گھوڑے کے پیروں کے نیچے ہی ہوا تھا۔“

”لیکن آخر گھوڑے پر ڈبل سواری۔“

آپ نہیں سمجھتے۔ وہ ہاتھ اٹھا کر بولی۔ ”فلم کی شوٹنگ ہو رہی تھی۔“

”اوہ.....!“ حمید چونک کر بولا اور اُسے گھورنے لگا۔ اب اُسے یاد آیا کہ عورت کا چہرہ

جانا پہچانا کیوں معلوم ہو رہا تھا۔

”آپ فلم اشار آٹا ہیں۔“ اس نے پوچھا۔

”جی ہاں..... جی ہاں۔“ وہ جلدی سے بولی۔ ”اور میں ہیر وکل کمار کا ترکہ کر رہی تھی۔“

”اچھا..... اچھا..... تو پھر آپ کا ٹرک آبی رہا ہوگا۔“

حمید نے ملازموں سے کہا۔ ”تم لوگ آگے بڑھ کر میدان میں ٹھہرو۔ اگر کوئی گاڑی

دکھائی دے تو اشارہ کر کے ادھر بلا لیتا۔“

”میں کمل کے لئے پریشان ہوں۔ وہ دھماکہ کیسا تھا۔ اس کا اس منظر سے تو کوئی تعلق

نہیں تھا۔ ہم ”بنجوگتا“ کی شوٹنگ کر رہے تھے۔ یہ انواء کا منظر تھا۔“

”تب تو دھماکے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔“ حمید نے کچھ سوچتے ہوئے پرتشویش لہجے

میں کہا۔

”یہی تو..... یہی تو“ وہ مضطربانہ انداز میں بولی۔

”اے منہ کیا دیکھ رہا ہے۔ جا کر کافی بنا۔“ حمید نے اس ملازم سے کہا جو میدان کی طرف

نہیں گیا تھا۔

”شکریہ۔“ آٹا مسکرائی۔ ”میں بڑی تھکن محسوس کر رہی ہوں۔“

”لیٹ جائیے۔“ حمید بولا۔

”نہیں ٹھیک ہے۔“

کچھ دیر خاموشی رہی پھر آٹا نے کہا۔ ”بڑی حیرت کی بات ہے۔ ٹرک ہمارے پیچھے نہیں آیا۔“

”ضروری نہیں کہ گھوڑا ٹرک ہی کے راستے پر دوڑتا رہا ہو۔“

”جی ہاں..... یہ بھی ٹھیک ہے۔“ وہ پرتشویش لہجے میں بولی۔ ”پھر میں اپنے کیمپ تک

کیسے پہنچوں گی۔“

کچھ دیر بعد ہماری گاڑیاں آجائیں گی۔

”کیا آپ کو ہمارے کیمپ کے متعلق کچھ علم ہے۔“ آٹا نے پوچھا۔

”جی نہیں۔“

”پھر میں کیمپ تک کیسے پہنچوں گی۔“

”کیمپ تک نہ سہی آپ کی شہری قیام گاہ تک پہنچا دیں گے۔“

”جی ہاں ٹھیک ہے۔“ اس نے کہا۔ چند لمبے خاموش رہی پھر بولی۔ ”آپ کون ہیں۔“

”یہ نہ پوچھئے تو بہتر ہے۔“ حمید غمگین آواز میں بولا۔ ”ورنہ آپ ہماری کافی پینا بھی

پسند نہ کریں گی۔“

”واہ ایسا بھی کیا..... آپ تو بہت اچھے آدمی معلوم ہوتے ہیں۔“ وہ حسب عادت خواہ

نخواہ ہنس پڑی۔

”نہیں..... لوگ اچھا نہیں سمجھتے۔“

”آخر کیوں؟ آپ کون ہیں!“

”مجھے ساجد حمید کہتے ہیں۔ محکمہ سراغ رسانی سے متعلق ہوں۔“

”کیپٹن حمید تو نہیں..... کرنل فریدی کے اسٹنٹ.....!“

حمید نے مغموں انداز میں سر کو جنبش دی۔

”اوہ.....!“ آٹا مضطرب نظر آنے لگی۔ پھر سنبھل کر ہنسنے لگی اور بولی۔ ”واہ آپ لوگ تو

بے حد معزز لوگوں میں شمار ہوتے ہیں۔ مجھے تو بڑا اشتیاق تھا ملنے کا۔“

حمید سر جھکائے پائپ میں تمباکو بھرتا رہا اور وہ پھر بولی۔ ”بیٹھ جائیے نا آپ بہت دیر

سے کھڑے ہیں۔“

حمید نے پھر مغموم نظروں سے اس کی طرف دیکھا اور دوسری طرف منہ پھیر لیا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

پگڈنڈی کی تلاش

آشا اُسے تحیر آمیز نظروں سے دیکھتی رہی لیکن کچھ بولی نہیں۔ ویسے انداز سے تو یہی معلوم ہو رہا تھا جیسے کچھ کہنے کے لئے بے چین ہو۔

حمید خلاء میں گھورتا رہا اور آنسو بہتے رہے۔ بالآخر آشا کو بولنا ہی پڑا۔
”کیا آپ کی آنکھوں میں کچھ تکلیف ہے۔“

”جی.....!“ حمید چونک کر بولا۔ ”جی ہاں..... جی نہیں..... اُوہ.....!“ پھر ایسی ایک ننگ شروع کر دی جیسے اُسے ان آنسوؤں کا علم ہی نہ رہا ہو۔ آخر جھپٹے ہوئے انداز میں ہنس کر بولا۔
”عجیب بات ہے..... خوبصورت عورتوں کو دیکھ کر میری آنکھوں سے پانی بہنے لگتا ہے۔“
لیکن ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ اس جواب سے مطمئن نہ ہوئی ہو۔

اتنے میں ملازم نے اسٹریچر کے قریب ایک چھوٹی سی میز لارکھی۔ پھر کافی پاٹ اور دوسرے لوازمات لایا۔

”اسٹول بھی۔“ حمید اس کی طرف دیکھ کر غرایا اور وہ دوڑتا چلا گیا۔ کچھ دیر بعد ایک فولڈنگ اسٹول بھی لایا۔

”میرا خیال ہے۔“ حمید اسٹول پر بیٹھتا ہوا بولا۔ ”اب آپ اتنی توانائی تو محسوس کر رہی ہوں گی کہ کافی بنا سکیں۔“

”اُوہ..... جی ہاں..... جی ہاں۔“ وہ جلدی سے آگے کھسکتے ہوئے بولی۔

”مجھے حیرت ہے آپ کا ٹرک اب تک ادھر نہیں آیا۔“

دفعتاً وہ کھکھلا کر ہنس پڑی اور حمید اس کی صورت دیکھتا رہ گیا۔ کوئی ایسی بات تو نہیں تھی جس پر اس طرح اسے بے ساختہ ہنسی آسکتی۔

”میں نہیں سمجھا۔“ وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا پرتشویش لہجے میں بولا۔
”نانی بی۔“ وہ ہنستی ہی رہی۔

”جی..... ی ی ی..... ع.....!“ حمید نے آنکھیں پھاڑ دیں۔ وہ سوچ رہا تھا کہیں اس حادثہ نے اس کے ذہن پر کوئی بُرا اثر تو نہیں ڈالا۔ وہ ہنستی رہی پھر بدقت ہنسی پر قابو پا کر بولی۔
”نانی بی..... پچھاڑیں کھا رہی ہوں گی۔ انہیں ہر وقت دھڑکا لگا رہتا ہے کہیں میں مرنہ جاؤں۔“
”تو اس میں ہنسی کی کیا بات ہے مگر مہ۔“ حمید جھنجھلا کر بولا۔

”میں اکثر سوچتی ہوں اگر میں بچ بچ مر جاؤں تو ان کا کیا حشر ہوگا۔“

”کافی پیچھے۔ ٹھنڈی ہو رہی ہے۔“ حمید آہستہ سے بڑبڑایا۔

”لیکن مکمل کمار۔“ وہ یک بیک سنجیدہ ہو گئی۔ ”وہ دھماکہ کیسا تھا..... مکمل چیخا تھا اور گھوڑے سے گر گیا تھا۔“

”ہوسکتا ہے..... بے چند کے سپاہیوں میں سے کوئی غلطی سے تھری ٹاٹ تھری استعمال کر بیٹھا ہو۔ بالکل اسی طرح جیسے قلو پٹرہ میکس فیکٹر کی لپ اسٹک استعمال کر بیٹھتی ہے۔ غالباً کسی فلم میں ملکہ نور جہاں نے بھی یہی حرکت کی تھی۔“

آشا کی سنجیدگی پھر رخصت ہو گئی۔ ہنستے وقت وہ ایک بالکل ننھی سی بچی نظر آتی تھی۔

اتنے میں کسی گاڑی کے انجن کی آواز آئی۔

”اُوہ..... ٹرک آ گیا شاید۔“ وہ اٹھتی ہوئی بولی۔

”نہیں..... آپ یہیں بیٹھئے۔ میں دیکھتا ہوں۔“ حمید نے کہا اور کنج سے باہر آ گیا۔ یہ تو انہیں لوگوں کی چپ تھی جس پر دو شکاری نظر آرہے تھے۔

ان میں سے ایک نے حمید کی جانب ہاتھ پھیلا کر کہا۔ ”اے تم دونوں ہو ہی منخوس۔“

”کیا بات ہے۔“ حمید نے آگے بڑھ کر پوچھا۔ ”بقیہ لوگ کہاں ہیں۔“

”محکمہ سراغ رسانی کے ساتھ جھک مار رہے ہیں۔ تم لوگوں کی نحوست کہیں چین نہ لینے دے گی۔“

”کچھ بتاؤ بھی تو۔“

”ایک لاش.....!“ ”کہاں.....؟“

”یہاں سے دس میل کے فاصلے پر..... امر پروڈکشن والے ”نچوگتا“ نامی فلم کی شوٹنگ کر رہے تھے۔ انوا کا سین تھا۔ پرتھوی راج نچوگتا کو گھوڑے پر لے بھاگا تھا۔ گھوڑا دوڑ رہا تھا..... ٹرک جس پر کیمروں کا گھوڑے کے پیچھے تھا۔ دفعتاً ٹرک رک گیا..... لیکن گھوڑا دوڑتا رہا۔ ابھی وہ ٹرک والوں کی نظروں ہی میں تھا کہ کسی کبج سے ایک فار ہوا۔ گولی مکمل کمار کی کپٹی پر پڑی۔ وہ گر گیا..... گھوڑا بھڑکا اور آشا کو نہ جانے کدھر لے گیا۔“

”اوہ.....!“ حمید نے طویل سانس لی اور کبج کی طرف مڑا۔ آشا کھڑی نظر آئی۔ اس کی آنکھیں حیرت سے پھیلی ہوئی تھیں۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے سکتہ ہو گیا ہو۔

”کیا آپ واپس جانا چاہتی ہیں۔“ حمید نے اس طرح چیخ کر پوچھا جیسے وہ اونچا سنتی ہو۔ وہ چونک پڑی۔ پلکیں جھپکائیں اور حمید کو ایسے انداز میں دیکھنے لگی جیسے وہ اس کے لئے قطعی اجنبی ہو۔

”دوسرے شکاری خاموشی سے اُسے دیکھے جا رہے تھے۔ حمید نے ان کی طرف مڑ کر کہا۔ ”یہ فلم اشار آشا ہیں..... اور گھوڑا ادھر بندھا ہوا ہے۔“

”نت..... تب تو انہیں وہاں فوراً پہنچنا چاہئے۔“ ان میں ایک ہلکایا۔

”وہ مر گیا..... کیا وہ مر گیا۔“ آشا آگے بڑھتی ہوئی مضطربانہ انداز میں بولی اور پھر ساکت ہو گئی۔ کوئی کچھ نہ بولا۔



لاش خاک و خون میں لتھڑی پڑی تھی۔

کرنل فریدی اس کے پاس سے ہٹ آیا تھا اور اب قریباً بیس فٹ کے فاصلے پر کھڑا اس جانب دیکھ رہا تھا۔ جدھر سے مبینہ فار ہوا تھا۔ امر پروڈکشنز کا عملہ بھی وہاں موجود تھا۔ لیکن فریدی نے انہیں لاش کے قریب آنے سے روک دیا تھا۔ آشا کی نانی دہائیں مار مار کر رو رہی تھی۔ ”ہائے کوئی اس کی بھی تو خبر لو..... ارے کوئی نہیں سنتا۔“

اب فریدی اس کبج کی طرف بڑھ رہا تھا جدھر سے فار ہوا تھا۔ قریب پہنچنے پر معلوم ہوا کہ اندر گھستا آسان نہ ہوگا۔ وہ دراصل جھنڈیروں کی جھاریاں تھیں جن پر پڑی پتیوں والی جنگلی بیلین پھیلی ہوئی تھیں اور دور سے معلوم ہوتا تھا جیسے اس کبج میں کانٹے دار جھاڑیوں نہ ہوں گی۔ وہ لوگ شکار کی تلاش میں اتفاقاً ادھر آ نکلے تھے اور یہاں یہ حادثہ ہو چکا تھا۔ لاش وہیں پڑی ہوئی ملی تھی اور امر پروڈکشنز کے کارکن اسکے گرد جمع تھے۔ آشا کی نانی پچھاڑیں کھا رہی تھی۔ پھر فریدی نے اپنے ساتھیوں سے کہا تھا کہ وہ گھوڑے کی تلاش میں جائیں اور اگر راستے میں اپنا کیمپ بھی پڑے تو حمید کو یہاں بھیج دیں۔

کبج کے پاس کھڑے ہو کر اس نے ایک بار پھر یہاں سے لاش تک فاصلے کا اندازہ کیا اور جیب سے سگار نکال کر اس کا گوشہ توڑنے لگا۔

کبج میں گھسنے کے لئے راستہ تلاش کرنا پڑے گا۔ وہ سوچ رہا تھا۔ ظاہر ہے وہاں کوئی ایسی جگہ ضرور ہوگی جہاں حملہ آور پہلے سے چھپ کر بیٹھا ہوگا اور کسی مخصوص راستے ہی سے ان جھاڑیوں میں بھی داخل ہوا ہوگا۔ ہو سکتا ہے آس پاس ہی کہیں کسی پگڈنڈی کی نکاس ہو۔

اس نے اشارے سے ڈائریکٹر کو قریب بلایا۔

”اس علاقے کے تھانے کو اطلاع دینی چاہئے۔“ اس نے اس سے کہا۔

پھر وہ دونوں ایک دوسری سے لپٹ کر اونچی آوازوں میں روتی رہیں۔
حمید فریدی کی طرف بڑھا تھا۔

وہ اس طرح اس کے قریب آ کر رک گیا جیسے اپنے ساتھ کسی کا جنازہ لایا ہو۔ بے حد
سجیدہ اور مغموم نظر آ رہا تھا۔

”یہ کہاں ملی تھی؟“ فریدی نے پوچھا۔

”جی سیدھی وہیں چلی آئی تھیں جہاں میں تھا۔“ حمید نے جواب دیا۔

”کیا مطلب.....؟“

حمید نے مختصر آؤسے بتایا۔

”دھماکہ.....!“ فریدی نے اسکے خاموش ہونے پر پوچھا۔ ”گھوڑے کے پیروں کے نیچے۔“

”لیکن وہ لوگ جوڑک پر تھے بندوق کے فائر کی کہانی سناتے ہیں۔“

”ٹرک نے بھڑکے ہوئے گھوڑے کا تعاقب کیوں نہیں کیا تھا۔“ حمید نے پوچھا۔

”وہ چلتے چلتے بیکار ہو گیا تھا۔ اس طرح بیکار ہوا ہے کہ دوبارہ کارآمد بنانے کے لئے اس
کا انجن تک کھولنا پڑے گا۔ کسی نے پٹرول کی ٹینکی میں شکر ڈال دی تھی۔“

”اوہ.....!“

”یہ قتل باقاعدہ پلاننگ کے تحت ہوا ہے۔“

”تو پھر قاتل بھی انہیں لوگوں میں سے کوئی ہو سکتا ہے۔“ حمید نے امر پروڈکشنز کے
عملے کی طرف دیکھ کر کہا۔

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ پھر لاش کی طرف دیکھنے لگا تھا۔

”کیا ٹرک والوں نے کسی بڑے دھماکے کا تذکرہ نہیں کیا۔“ حمید نے پوچھا۔

”نہیں..... انہوں نے صرف فائرؤں کا تذکرہ کیا تھا۔“

”فائرؤں..... یا صرف ایک فائر۔“

”میرا خیال ہے انہوں نے تین فائرؤں کا تذکرہ کیا تھا۔“

”میں یہاں کے لئے اجنبی ہوں جناب۔“ ڈائریکٹر نے جواب دیا۔

”اوہ..... تو ادھر آنے کا مشورہ کس نے دیا تھا آپ کو.....!“

”اس ایجنٹ نے جو ہمارے لئے ایکسٹرا اداکاروں کا انتظام کرتا ہے۔“

”ہوں.....!“ فریدی نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ ”کیا آپ اس کا نام

اور پتہ بتا سکیں گے۔“

”جی ہاں۔ شیوا رام اسٹریٹ کی نزدیکی لاج میں اس کا دفتر ہے..... شکر اس کا نام ہے۔“

”شکر.....!“ فریدن نے اس طرح دہرایا جیسے اس نام کے علاوہ کچھ اور بھی اس کے

ذہن میں ہو۔ پھر سگار ”کر بولا۔“ ”تھانہ راج گڈھ۔ اس علاقے کا تھانہ ہے۔ کیا اس ٹرک

کے علاوہ آپ کے ساتھ ٹی اور بھی گاڑی ہے۔“

”جی ہاں..... دو جیپیں ہیں۔“

”تھانے میں اطلاع بھجوا دیجئے۔ کیا آپ کا کوئی آدمی یہ کام کر سکے گا؟“

”جی ہاں۔“

فریدی نے جیب سے نوٹ بک نکال کر اس میں کچھ لکھا اور پھر وہی صفحہ پھاڑ کر اُسے دیتا

ہوا بولا۔ ”یہ تھانے کے انچارج ہی کو دیا جائے۔“

ڈائریکٹر رقعہ لے کر اپنے ساتھیوں کی طرف واپس چلا گیا۔

فریدی پھر جھاڑیوں کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ جھاڑیوں کے ساتھ ساتھ

ایک طرف چلنے لگا۔ قریباً دو فرلانگ چلا آیا لیکن کہیں بھی کسی پگنڈی کا سراغ نہ ملا۔ اب وہ

پھر پلٹا۔ لیکن اس بار دوسری طرف جانے کی بجائے سیدھا لاش کی جانب چلا آیا۔ کیونکہ وہاں

ایک جیپ آ کر رکی تھی اور کیپٹن حمید ایک عورت سمیت اس پر سے اتر رہا تھا۔

آشا کی نانی کی چیخ سنائے میں گونجی۔

”میری رانی..... میری بیٹی۔“

وہ گرتی پڑتی جیپ کی طرف دوڑی آ رہی تھی۔

ہونا چاہئے۔“

آشا چونک کر مڑی تھی۔ اس کا منہ پھیلا ہوا تھا اور آنسو بہہ رہے تھے۔

”اس خوشی میں رونا مناسب نہیں ہے کہ آپ زندہ بچ گئی ہیں۔“ حمید نے کہا۔

”یہ کون ہے۔“ بوڑھی نے کھرکھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

”کک..... کیپٹن حمید۔“ آشا ہکلائی۔

”یہ بھی پولیس والے ہیں۔“

”ہاں.....!“ آشا نے کہا اور آنسو پونچھتی ہوئی اس کے پاس سے ہٹ گئی۔

حمید انہیں چھوڑ کر اس بھیڑ کی طرف بڑھا جو تھوڑے ہی فاصلے پر نظر آ رہی تھی۔

”آپ لوگ کون ہیں۔“ اس نے ان کے قریب پہنچ کر اونچی آواز میں پوچھا۔

”امر پروڈکشنز.....!“ ایک آدمی نے جواب دیا۔

”آپ کون ہیں۔“ حمید نے اسی سے پوچھا۔

”میں ڈائریکٹر ہوں۔“

”دوسرے لوگوں کے متعلق بھی بتائیے۔“

ڈائریکٹر مختلف کام کرنے والوں کا تعارف کرانے لگا۔ پھر حمید کی نظر دو کچم شیم آدمیوں پر

پڑی اور ڈائریکٹر بھی خاموش ہو گیا۔

”ہوں..... اور یہ.....!“ حمید نے پوچھا۔

”یہ مس آشا کے باڈی گارڈ ہیں۔“ ڈائریکٹر نے جواب دیا۔

”مس آشا کے باڈی گارڈ.....!“ حمید نے حیرت سے دہرایا۔ ان میں سے ایک مسلح

بھی تھا۔ چٹلون کی پٹی سے ریوالور کا ہولسٹر لٹک رہا تھا۔

”اس کا لائسنس.....!“ حمید نے ریوالور کی طرف اشارہ کر کے اس سے کہا اور نے جیب

سے لائسنس نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔

”لائسنس ہی سے معلوم ہوا کہ وہ ایک ریٹائرڈ فوجی تھا اور انجام کے طور پر اُسے ریوالور

”کمال ہے..... آشا کے کوئی گولی نہ لگی۔“ حمید بڑبڑایا۔

”اس قسم کے اتفاقات بھی پیش آتے رہتے ہیں۔“

”ان لوگوں کا کیمپ یہاں سے کتنی دور ہے۔“

”غالباً دو میل کے فاصلہ پر۔“

”بہر حال ہمیں کہیں چین نہیں ہے۔“ حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

آشا اور اس کی نانی ابھی تک روئے جا رہی تھیں۔ ان کے قریب کوئی بھی نہیں تھا۔

فلم کمپنی کے کسی فرد نے بھی ان کے پاس آ کر تشفی کے دو لفظ کہنے کی زحمت نہیں گوارا کی

تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ دونوں کسی ایسے قبیلے سے تعلق رکھتی ہیں جس کی زبان دوسرے

لوگوں کے لئے ناقابل فہم ہو۔

”کیا اب مجھے ہی ان دونوں کو علیحدہ کرنا ہوگا۔“ حمید بڑبڑایا۔

”یقیناً..... یقیناً.....!“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”خوب صورت عورتیں تمہاری بد نصیبی بن کر

رہ گئی ہیں جن سے پیچھا چھوٹنا محال ہے۔“

”وہ مرنے والے سے محبت کرتی تھی۔“

”فلم کی کہانی میں یا ویسے تھی۔“ فریدی نے پوچھا۔

”ویسے بھی..... نانی اُسے کڑی نگرانی میں رکھتی ہے۔ خود اس نے یہ شرط پیش کی تھی کہ اس

فلم کیلئے اس سے اس صورت میں معاہدہ ہو سکے گا جب پرتھوی راج کارول مکمل لکھا کر دیا جائے۔“

”اوہو..... دلچسپ اطلاع ہے۔“

”لیکن نانی کو اس شرط کا علم نہیں ہے۔ یہ بات صرف آشا اور ڈائریکٹر ہی کے درمیان رہی۔“

”مزید دلچسپ۔“

”لہذا اس قتل کی ذمہ دار..... نانی ہی ہو سکتی ہے۔“ مید خوش ہو کر بولا۔

”ضروری نہیں۔“ فریدی نے کہا اور پھر جھڑیوں کی طرف دیکھنے لگا۔

حمید ان دونوں کے قریب پہنچ کر کچھ دیر خاموش کھڑا رہا پھر بولا۔ ”اب یہ سلسلہ ختم

رکھنے کی اجازت ملی تھی۔“

”تمہارا نام.....!“ حمید نے دوسرے باڈی گارڈ سے سوال کیا۔

”نصرت خان.....!“

”کب سے ملازم ہو۔“

”ایک سال سے۔“

”پہلے کہاں کام کرتے تھے۔“

”ریٹائرڈ فوجی ہوں۔“

”تم دونوں میرے ساتھ آؤ۔“ حمید نے کہا اور انہیں اس بھیڑ سے الگ لے گیا۔

”میں بھی ریٹائرڈ فوجی ہوں۔“ حمید نے ان سے کہا۔

”اچھا.....!“ دونوں نے بیک وقت کہا۔ لیکن انداز استعجابیہ نہیں تھا۔

”تم دونوں ہمیشہ اس کے ساتھ رہتے ہو۔ میرا مطلب ہے جب وہ باہر جاتی ہے۔“

”جی ہاں۔“

”تمہیں خود اسی نے ملازم رکھا ہے یا نانی نے۔“

”نانی نے۔“ ایک نے جواب دیا۔

”کچھ مخصوص قسم کی ہدایات بھی اس کی طرف سے ملی ہوں گی۔“

”جی نہیں۔ بس ہم مس آشا کی حفاظت کے ذمہ دار ہیں۔“

”کیا تم لوگوں کی عدم موجودگی میں وہ غیر محفوظ ہوتی ہے۔“

”ہم اس کا کیا جواب دے سکتے ہیں جناب۔“

”حادثے کے وقت تم لوگ کہاں تھے۔“

”ٹرک پر۔“

”پھر جب یہ حادثہ پیش آیا۔ اور گھوڑا اسے لے بھاگا تو تم نے کیا کیا تھا۔“

”ہم کیا کرتے..... ڈرائیور..... اُسے دوبارہ اشارت کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ جب

اشارت نہ ہوئی تو ہم کمپ کی طرف دوڑے تھے تاکہ دوسری گاڑی پر گھوڑے کے پیچھے جا سکیں۔“

”لیکن کمپ تو یہاں سے دو میل کے فاصلے پر ہے۔“

”اور پھر ہم کمر بھی کیا سکتے تھے۔ ہم میں سے شاید کوئی بھی گھوڑا پچھاڑ نہیں ہے۔“ اس نے مسکرا کر کہا۔

”خیر تو پھر کمپ میں پہنچ کر کیا کیا۔“

”جناب..... وہاں..... ان دونوں جیپوں کی بیڑیاں ڈاؤن ملیں۔“

”ڈاؤن ملیں..... یا ان میں سے کاربن نکال لئے گئے۔“

”یہ تو ہم نے نہیں دیکھا..... پھر ہم نے دو گھوڑے لئے۔ لیکن وہ تین یا چار فرلانگ سے آگے نہ چل سکے۔“

”کیوں.....؟“

”پتہ نہیں۔ وہ گر گئے تھے۔ اگر ہم ہوشیار نہ ہوتے تو ٹانگیں ضرور ٹوٹ جاتیں۔“

”کیا وہ بھی مر گئے۔“

”اب تک مر ہی گئے ہوں گے۔“

”جیپیں بیکار تھیں۔“ حمید نے کہا۔ ”تو پھر یہ لوگ کیسے پہنچے تھے یہاں تک۔“

”پیدل ہی بھاگ کھڑے ہوئے تھے۔“

”میرے ساتھ چلو۔“ وہ اپنی جیپ کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ ”میں ان گھوڑوں کو دیکھنا چاہتا ہوں..... اور کمپ بھی دیکھوں گا۔“

لیکن ٹھیک اسی وقت فریدی بھی ان کے قریب آ کر رکا۔ اس کے ساتھ ڈائریکٹر بھی تھا۔

”تم انہیں راج گڈھ کے تھانے لے جاؤ..... ان کی دوسری گاڑیاں بھی بیکار ہو گئی ہیں۔“ اس نے حمید سے کہا۔

”میں ان گھوڑوں کو دیکھنے جا رہا تھا۔“

”یہ سب مجھ پر چھوڑ دو۔ انہیں تھانے لے جاؤ۔“ فریدی نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ حمید سمجھ گیا کہ مقصد اُسے محض تھانے ہی تک لے جانا نہ ہوگا بلکہ وہ راستے میں اس سے پوچھ گچھ بھی کر سکے گا۔

اس نے جیب اسٹارٹ کی۔ ڈائریکٹر اس کے برابر ہی بیٹھا ہوا تھا۔

”میں برباد ہو گیا۔“ ڈائریکٹر وہاں ہی آواز میں بولا۔

”مجھے آپ سے ہمدردی ہے لیکن اگر آپ آشا کی نانی کو اندھیرے میں نہ رکھتے تو شاید

اس کی نوبت نہ آتی۔“

”کیا مطلب.....!“ ڈائریکٹر بے ساختہ چونک پڑا۔

”آشا سے معاہدے کی شرط۔“

”اوہ..... تو اُس نے بتا دیا ہے آپ کو۔“

”جی ہاں.....!“

”یہ بات صرف ہم دونوں کے درمیان تھی۔“

”اگر آپ اس کی نانی پر ظاہر کر دیتے تو۔“

”میرا خیال ہے کہ اگر آشا کی شرط کا اظہار اس سے کر دیتا تو وہ اس معاہدے پر ہرگز

تیار نہ ہوتی۔“

”کیوں.....؟“

”آشا اس کے لئے سونے کی چڑیا ہے۔ لہذا وہ اسے قطعی پسند نہیں کرتی کہ آشا کا کسی

سے رومان چلے اور نوبت شادی تک پہنچے۔ شادی کے بعد اس کی کیا پوزیشن ہوگی۔“

”آپ نے محسوس کیا ہوگا کہ وہ عرصہ سے صرف کل ہی کے ساتھ آتی رہی ہے۔ خود اس

کی مارکیٹ بہت اچھی ہے جو بھی کوئی نئی فلم بنانے کا پروگرام بناتا ہے سب سے پہلے اس کی نظر

آشای پر پڑتی ہے اور آشا کی شرط یہ ہوتی ہے کہ ہیر و کارول مکمل ادا کرے گا۔ لیکن اس شرط کا

علم اس کی نانی کو نہیں ہونے پاتا۔“

”ہو سکتا ہے..... اس بار علم ہو ہی گیا ہو۔“

”کون جانے۔“ ڈائریکٹر اُسا منہ بنا کر بولا۔ تھوڑی دیر خاموش رہا پھر بڑبڑانے لگا۔

”میں تو سچ کچ بتا رہا ہوں۔ پروڈیوسر بھی خود ہی ہوں۔ فائینسٹر مجھے جہنم میں پہنچا دے گا۔ آدھے

سے زیادہ اسکرپٹ کی فلم بندی ہو چکی ہے۔“

”کیا آپ کا طریق کار دوسروں سے مختلف ہے۔“ حمید نے پوچھا۔ ”جہاں تک مجھے علم

ہے پہلے ان ڈور شوٹنگ یا آؤٹ ڈور شوٹنگ مکمل کر لی جاتی ہے۔“

”صاحب ہم ان ڈور شوٹنگ مکمل کر چکے ہیں۔ آج آؤٹ ڈور شوٹنگ کی ابتداء کی تھی۔

اسکرپٹ کے اعتبار سے کہانی کا ایک تہائی حصہ آؤٹ ڈور شوٹنگ پر مشتمل ہے اور اس میں زیادہ

ترکمل ہی کارول تھا۔“

”تب تو آپ واقعی ڈوب گئے۔“ حمید نے بھی ٹھنڈی سانس لی۔

لارڈو

اب تو وہ اس بدبو کی عادی ہو چکی تھی۔ مجبوراً ہونا پڑتا تھا۔ ورنہ اتنے زیادہ پیسے کسی

دوسری جگہ تو ہرگز نہ ملتے اور پھر کام ہی کیا تھا۔ ہفتے میں چھ دن صرف ڈاک وصول کرتی تھی اور

ساتویں دن ضروری خطوط کے جواب لکھ دیتی تھی۔ تنخواہ تھی ساڑھے چار سو روپے ماہوار۔ ایک

میٹرک پاس لڑکی کے لئے یہ ملازمت ایسی ہی تھی جیسے غیر متوقع طور پر ایک دن کسی کو کسی

انعامی معنے کا انعام مل جائے۔

یہ نوکری بس یونہی بیٹھے بیٹھے ہاتھ آئی تھی۔ میٹرک پاس کر لینے کے بعد اس نے سوچا

تھا کہ اب اُسے اپنی بیوہ ماں کا ہاتھ بٹانا چاہئے جس نے سلائی بنائی کر کے کسی نہ کسی طرح

اُسے تعلیم دلوائی تھی۔ دو چھوٹے بھائی نچلے درجوں میں تعلیم حاصل کر رہے تھے۔

بس ایسا ہی معلوم ہوا تھا جیسے غلاظت ڈھونے والی کوئی میونسپل گاڑی قریب ہی آرکی ہو۔ پورا کمرہ بدبو سے گونج اٹھا تھا۔

وہ گول مٹول سا آدمی تھا اور اپا بھوں والی بیہوشی دار کرسی پر بیٹھا ہوا کمرے میں داخل ہوا تھا۔ چہرے پر آنکھوں تک کپڑا بندھا ہوا تھا۔

”گڈ مارنگ مس جینی.....!“ بھرائی ہوئی سی آواز کمرے میں گونجی تھی۔

”گگ..... گڈ مارنگ۔“ جینی نے متحیرانہ انداز میں جواب دیا تھا اور کرسی سے اٹھ گئی تھی۔

”میں تمہارا باس ہوں۔“ اس نے ایک لفافہ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا تھا۔ ”یہ تمہارا اپائنٹمنٹ لیٹر ہے۔“

جینی نے ہاتھ بڑھا کر لفافہ لے لیا تھا۔

”اے دیکھو.....!“ بدبو دار باس نے کہا تھا۔

جینی نے لفافہ کھول کر اپائنٹمنٹ لیٹر نکالا تھا اور اسے دیکھ کر وہ یہ بھی بھول گئی تھی کہ کچھ دیر قبل اس کا دماغ بدبو سے پھنا جا رہا تھا۔

”ساڑھے چار سو روپے ماہوار۔“

”شش شکریہ۔“ اس نے بدقت اپنی زبان کو جنبش دی تھی۔

”بیٹھ جاؤ۔“ باس نے ہاتھ ہلا کر کہا تھا۔ ”یہ اس بدبو کو برداشت کرنے کی اجرت ہے۔ ورنہ یہاں کام کچھ ایسا زیادہ نہیں۔“

وہ بیٹھ گئی اور باس کہتا رہا تھا۔ ”اگر میں اپنے منہ پر سے کپڑا ہٹا دوں تو تم سانس نہ لے سکوگی۔ لاکھوں روپے صرف کر چکا ہوں لیکن میرے منہ کی بدبو نے پیچھا نہیں چھوڑا۔ میں دنیا کا بد نصیب ترین آدمی ہوں بے بی۔“ یہاں اس کی آواز رقت آمیز ہو گئی تھی۔

جینی فوراً ہی کچھ نہیں بولی تھی۔ لیکن اس کا دل بھر آیا تھا۔ وہ ایک نرم دل اور نیک لڑکی تھی۔ عیسیٰ مسیح کی تعلیمات نے اُسے ہر آدمی سے محبت کرنا سکھایا تھا۔ بیماروں پر شفقت کرنا سکھایا تھا اور پھر وہ ایک طرح کی بیماری ہی تو تھی۔

اس کا خیال تھا کہ کسی پرائمری سکول کی معلّیٰ اُسے ضرور مل جائے گی۔ لہذا ایک جگہ درخواست پیش کی۔ انٹرویو کے لئے طلب کی گئی۔ وہاں پہنچی تو کہہ دیا گیا کہ انہیں تربیت یافتہ معلّمہ کی ضرورت ہے۔ دل شکستہ ہو کر واپس ہو رہی تھی کہ صدر معلّم کے آفس میں بیٹھی ہوئی ایک معمر عورت نے اس سے کہا کہ وہ باہر اس کا انتظار کرے شاید وہ اس کیلئے کچھ کر سکے گی۔ جینی نے اس کا انتظار کیا تھا۔

”میرے مالک کو ایک پرائیویٹ سیکرٹری کی ضرورت ہے۔“ معمر عورت نے کہا تھا اور جینی نے مایوسی سے سر ہلا کر کہا تھا۔ ”ٹائپ تو کر لیتی ہوں لیکن مجھے شارٹ ہینڈ نہیں آتا۔“

”اس کی کوئی ضرورت بھی نہیں ہے۔“ معمر عورت بولی تھی۔

اور پھر وہ دوسرے دن لارڈو کے دفتر میں جا پہنچی تھی۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ لارڈو کا کیا مطلب ہے اور وہاں کیا ہوتا ہے۔ صدر دروازے پر لارڈو کا بورڈ لگا ہوا تھا۔

وہاں دفتر کا سافر نیچر بھی موجود تھا لیکن اس معمر عورت کے علاوہ اور کوئی نظر نہیں آیا تھا۔ معمر عورت نے کہا تھا۔ ”بس اپنے کو ملازم سمجھو۔ تنخواہ معقول ملے گی۔“

جینی نے مناسب نہیں سمجھا تھا کہ تنخواہ کے متعلق مزید استفسار کرتی۔

”بس روزانہ ڈاک وصول کر کے اُسے فائل کرتی رہو۔“ معمر عورت نے کہا تھا۔

”ساتویں دن باس جوابات لکھواتا ہے۔ یعنی اتوار کے دن..... چھٹی کا کوئی دن نہیں۔ روزانہ صرف تین گھنٹے کے لئے آنا ہوگا۔“

جینی نے سوچا تھا بھلا پچاس ساٹھ روپیوں سے زیادہ کیا ملے گا۔

لیکن اس نے خاموشی ہی اختیار کی تھی۔ اس کمرے کا فرنیچر اعلیٰ درجہ کا تھا جس میں اُسے بیٹھنا تھا۔ صرف ایک میز تھی اور ایک جانب ایک خوبصورت سارنیا رنگ کیبن بھی تھا۔

اس کمرے میں اس کے علاوہ اور کوئی نہیں بیٹھتا تھا۔

چھ دن تک وہ صرف ڈاک وصول کرتی رہی تھی اور ساتویں دن باس اس کمرے میں داخل ہوا تھا۔

”جج..... جی.....!“ وہ کچھ دیر بعد ہکلائی تھی۔ ”جب تک یہاں میری ضرورت ہوگی.....“
 ”..... میں یہاں رہوں گی۔“

”شکریہ۔“ باس نے ہاتھوں سے اپنی آنکھیں چھپا کر روہانی آواز میں کہا تھا اور خاموش ہو گیا تھا۔ لیکن جینی اس کے جسم میں لرزشیں محسوس کر رہی تھی۔ شاید وہ رو رہا تھا۔
 اور پھر جینی مجسم ماستابن گئی تھی۔ اس کی آنکھیں بھی بھینگنے لگی تھیں۔

اور پھر اس کے بعد بھی وہ ہر ہفتے وہاں آتا رہا تھا۔ پچھلے دنوں کے آئے ہوئے خطوط سننا اور ان کے جوابات لکھواتا۔ دو چار رسمی قسم کی باتیں ہوتیں اور وہ چلا جاتا۔

یہ دفتر محض اسی ایک کمرے پر مشتمل نہیں تھا۔ کئی کمرے تھے۔ جہاں کلرک وغیرہ بیٹھا کرے تھے۔ لیکن اس کا تعلق براہ راست باس ہی سے تھا۔

بوڑھی عورت جس کی وساطت سے وہ یہاں پہنچی تھی کاروبار کے فلمی سیکشن کی انچارج تھی۔ اس نے اسے بتایا تھا کہ ”لارڈو“ کی تجارت مختلف النوع معاملات پر مشتمل ہے۔ خود بوڑھی اس شعبے کی انچارج تھی جس کا کام فلم کمپنیوں کے لئے اسکران اداکار مہیا کرنا تھا۔“

جینی نے اپنی ماں سے یہ نہیں بتایا تھا کہ اُسے ساڑھے چار سو روپے ماہوار تنخواہ ملتی ہے۔ صرف ڈیڑھ سو بتائے تھے۔ اگر وہ ساڑھے چار سو کا تذکرہ کر دیتی تو ہر حال میں یہ ملازمت ترک کرنی پڑتی۔ اس کی ماں یہی سمجھتی کہ وہ کس بُرے آدمی کے چکر میں پڑ گئی ہے اور وہ ایک نہ ایک دن اپنی صرف کی ہوئی رقم ضرور وصول کرے گا۔

جینی کی ماں ایک مہنتی اور نیک نفس عورت تھی۔ شوہر کی موت کے بعد وہ غلط راہوں پر نہیں گئی تھی۔ زیادہ تعلیم یافتہ نہیں تھی اس لئے کسی اچھی ملازمت ملنے کا امکان نہیں تھا۔ لیکن وہ اچھی دستکار ضرور تھی۔ اس نے زنانہ لمبوسات کا کام شروع کر دیا تھا اور اتنا کمالیتی تھی کہ اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت بحسن و خوبی کر سکے۔ ہمیشہ سے اس کی یہی کوشش اور خواہش رہی تھی کہ اس کے بچے بھی نیکی ہی کی راہ پر چلتے رہیں۔

گھر سے بہت کم نکلتی تھی۔ جب تک جاگتی رہتی کچھ نہ کچھ کرتی رہتی۔ اسے خوشی تھی کہ

ستاروں کی موت
 بیٹی بھی برسر روزگار ہو گئی تھی۔ لیکن وہ مطمئن نہیں تھی۔ اکثر دنیا کی اونچ نیچ سمجھاتی رہتی۔ جینی نے اسے اپنے بدبودار لباس کے متعلق بتایا تھا اور اس کیلئے اس نے بھی ہمدردی ظاہر کی تھی۔
 جینی ہر ماہ اس کے ہاتھ پر ڈیڑھ سو روپے رکھ دیتی تھی اور بقیہ رقم بینک میں جمع ہوتی رہتی تھی۔
 آج صبح وہ دفتر پہنچی تھی اور تھوڑی دیر بعد پچھلی شام کی ڈاک دیکھنے لگی تھی۔ پھر اخبار اٹھا لیا تھا اور پھر وہ خبر اس کی نظر سے بھی گذری تھی۔

”مشہور فلمی ستارے کل کمار کا پر اسرار قتل“

پوری خبر پڑھنے کے بعد اس کا دل دھڑکنے لگا تھا اور اسے ایسا محسوس ہوا تھا جیسے اس کا کوئی قریبی عزیز دنیا سے اٹھ گیا ہو۔

کل کمار ایسا ہی مقبول اداکار تھا۔ اس کے نین اس سے محبت کرتے تھے۔ وہ بڑی دیر تک گم سم بیٹھی رہی تھی۔ پھر اس کا ذہن قتل کی گھٹیاں سلجھانے میں مصروف ہو گیا تھا۔ اس نے بکثرت جاسوسی ناول پڑھے تھے اور اب بھی پڑھتی رہتی تھی۔ یہاں کام ہی کیا تھا۔ زیادہ تر وقت ناولیں ہی پڑھنے میں صرف ہوتا۔

خبر میں یہ بھی تھا کہ محکمہ سراغ رسانی کے بہترین دماغ کرنل فریدی اور سپین حمید بھی فلم کمپنی کے یکپ کے آس پاس اپنی پارٹی کے ساتھ شکار کھیل رہے تھے اور انہوں نے اس حادثہ کے بعد واردات کا معائنہ بھی کیا تھا۔ خبر رساں نیوز ایجنسی کی طرف سے خیال ظاہر کیا گیا تھا کہ شاید اس کیس کی ذمہ داریاں انہیں دونوں حضرات کو سونپی جائیں۔

قاتل بچ نہیں سکتا۔ جینی نے سوچا۔ آج تک کرنل فریدی کا کوئی کیس ناکام نہیں رہا۔ پھر اسے خیال آیا۔ وہ لوگ آس پاس ہی شکار کھیل رہے تھے۔ کہیں وہ انہیں میں سے کسی کی گولی کا شکار نہ ہوا ہو۔ گولی کسی جانور پر چلائی گئی ہو اور گھوڑا اُسے گولی کی زد پر لے آیا ہو۔

اس نے سوچا یہ پولیس والے ”لیپ پوت“ کے بھی تو ماہر ہوتے ہیں۔
 پھر کچھ دیر بعد بوڑھی عورت مسز رگھیر سے بھی اس حادثے کے متعلق گفتگو ہوئی۔ مسز رگھیر نے کہا۔ ”جتنی میں ان لوگوں سے واقف ہوں تم نہیں ہو سکتیں۔ یہ آشاکا نانی ہی کی

دیکھتا ہوا بولا۔ ”انہیں بھی آزماؤ۔“

”بہت بہتر جناب۔“ اس نے کہا اور چلا گیا۔

فریدی پھر فون کی طرف ہاتھ بڑھایا رہا تھا کہ کیپٹن حمید کمرے میں داخل ہوا اور اس بیت کدائی میں کہ فلٹ ہیٹ کھوپڑی کے پچھلے حصے پر چپکی ہوئی تھی۔ بال پیشانی پر بکھرے ہوئے تھے اور ٹائی کی گرہ ڈھیلی ہو کر سینے پر آگئی تھی۔ قمیض کے کارل کا بٹن بھی کھلا ہوا تھا۔

دانتوں میں دبا ہوا پائپ ٹھوڑی کے نیچے جھول رہا تھا۔ فریدی نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا اور گھورتا رہا۔

حمید نے کچھ کہنے کیلئے پائپ منہ سے نکالا۔ لیکن فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”باہر جاؤ۔“ پھر قبل اس کے کہ حمید وجہ پوچھتا فریدی خود ہی بولا۔ ”یہ جناب کا دولت خانہ تو نہیں ہے۔ حلیہ درست کر کے آؤ۔“ اس بار لہجہ درشت تھا۔

حمید نے فلٹ ہیٹ میز پر ڈال دی ٹائی کی گرہ درست کی اور پیشانی سے بال ہٹاتا ہوا بولا۔ ”میں پہلے ہی کہہ رہا تھا کہ فلمی حلقوں کی آب و ہوا ہم جیسے لوگوں کیلئے مناسب نہیں۔“ فریدی پھر فون کی طرف متوجہ ہو گیا۔ کسی کے نمبر ڈائیل کئے اور کسی قسم کے کاغذات کے متعلق گفتگو کرتا رہا۔

حمید کرسی کھینچ کر بیٹھ چکا تھا اور اب بجھا ہوا پائپ سلگا رہا تھا۔ کچھ دیر بعد فریدی اس کی طرف ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”رپورٹ۔“ کوئی خاص نہیں۔ اس کی نانی کی وجہ سے تنہائی نصیب ہی نہیں ہوتی۔“ حمید پائپ منہ سے نکال کر بولا۔

”کیا بکواس ہے؟“

”سچ عرض کر رہا ہوں۔“ حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ ”ابھی تک کوئی ایسا موقع نصیب نہیں ہوا کہ ہم دونوں اطمینان سے گفتگو کر سکتے۔ نانی سر پر مسلط ہو جاتی ہے۔ میں آشا سے کچھ پوچھتا ہوں تو اس سے پہلے ہی نانی بول پڑتی ہے۔ ابھی تک آشا خود میرے کسی سوال

حرکت ہو سکتی ہے۔ وہ نہیں چاہتی کہ آشا کسی سے قریب ہو۔ میں یہ بھی جانتی ہوں کہ آشا مکمل کمار کی طرف بے تحاشہ جھک رہی تھی۔“

”لیکن.....!“ جینی ٹھنڈی سانس لے کر بولی۔ ”اس طرح خود آشا کے لئے بھی تو خطرہ تھا اور وہ دونوں ایک ہی گھوڑے پر تھے اور گھوڑا دوڑ رہا تھا۔ گولی آشا کے بھی لگ سکتی تھی۔ نہیں یہ اس کی نانی کی حرکت نہیں ہو سکتی۔“

”تب پھر یہ بھی ممکن نہیں کہ انڈسٹری کے کسی دوسرے آدمی کی حرکت ہو۔ مکمل کمار سے سب محبت کرتے تھے۔ آج تک اس کا کسی سے جھگڑا نہیں ہوا۔“ مسز رگھیر نے کہا۔ ”کیا یہ ممکن ہے کہ وہ ان شکاریوں کی کسی رائفل کا نشانہ بنا ہو۔“ جینی بولی۔ ”ہو سکتا ہے۔“ مسز رگھیر نے کہا اور کچھ سوچنے لگی۔



کرنل فریدی اپنے آفس میں بظاہر بیکار بیٹھا تھا۔ لیکن اس کا ذہن اسی کیس کے مختلف پہلوؤں سے الجھا ہوا تھا۔

بجھا ہوا سگار الیش ٹرے میں رکھ کر اس نے فون کی طرف ہاتھ بڑھایا اور ریسور اٹھا کر ماؤتھ پیس میں بولا۔ ”ڈیوڈ..... چیک کر چکے ہو تو رپورٹ جلد لاؤ۔“ ریسور رکھ کر وہ پھر بجھا ہوا سگار سلگانے لگا۔

کچھ دیر بعد ایک آدمی کچھ فائلیں لئے ہوئے کمرے میں داخل ہوا۔ ”نہیں جناب۔“ اس نے کہا۔ ”ہمارے ریکارڈ میں جتنے نشانات ہیں ان میں سے کسی سے بھی یہ نشانات نہیں ملتے۔“

”ہمارے ریکارڈ میں کچھ غیر مصدقہ نشانات بھی تو ہیں۔“ فریدی اس کی آنکھوں میں

کا جواب نہیں دے سکی۔ تانی کا جواب دہرا دیتی ہے۔“

”اور تم خاموشی سے سنتے رہے ہو۔“ فریدی نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

”پھر کیا کروں۔ اتنی خوبصورت عورت کی تانی کو ڈانٹ دینا میرے بس سے باہر ہے۔“

”تم گدھے ہو۔“ فریدی نے کہا اور سامنے پڑے ہوئے کاغذات کی طرف متوجہ ہو گیا۔

کچھ دیر بعد فون کی گھنٹی بجی۔

فریدی ریسیور اٹھا کر دوسری طرف سے بولنے والے کی بات سنتا رہا پھر خود بولا۔ ”ٹھیک

وہ فائل یہیں لیتے آؤ اور نشانات سے متعلق رپورٹ بھی۔“

ریسیور رکھ کر وہ حمید کی طرف دیکھنے لگا۔ لیکن توجہ کا مرکز حقیقتاً حمید نہیں تھا۔ فریدی کچھ

سوچ رہا تھا اور سوچ میں ڈوبی ہوئی آنکھیں حمید کے چہرے پر جم کر رہ گئی تھیں۔

تھوڑی دیر بعد وہی آدمی کمرے میں داخل ہوا جو اس سے پہلے بھی ایک فائل لے کر

وہاں آیا تھا۔

فریدی نے اپنے سامنے والی کرسی کی طرف اشارہ کیا..... اور وہ شکریہ ادا کر کے بیٹھ گیا۔

فائل اس کے سامنے رکھتا ہوا بولا۔ ”دوسرے پیرا گراف میں نشانات کے متعلق تفصیل درج

ہے۔“

فریدی فائل کا مطالعہ کرتا رہا..... قریباً دس منٹ بعد سر اٹھا کر بولا۔ ”تم غلطی تو نہیں

کر رہے۔“

”نہیں جناب اپنے تیس سالہ تجربہ کی بناء پر یہ بات یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ

دونوں نشانات ایک ہی آدمی کی انگلیوں کے ہیں۔“

”گڈ.....!“ فریدی نے فائل بند کر کے اسکی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ”ٹھیک ہے جاؤ۔“

وہ چلا گیا۔ فریدی نے بجھا ہوا سگار سلگا کر حمید کی طرف دیکھا۔ جواب بڑے بے

تعلقانہ انداز میں اٹکھ رہا تھا۔

”اٹھو.....!“

حمید چونک پڑا..... اور فریدی نے اٹھ کر کوٹ پہنتے ہوئے کہا۔ ”چلو.....!“

”کہاں.....؟“

فریدی جواب دیئے بغیر باہر جا چکا تھا۔ حمید کراہتا ہوا اٹھا..... فلت ہیٹ اٹھائی اور اس

کے پیچھے چل پڑا۔

کچھ دیر بعد فریدی کی لنکن کسی نامعلوم منزل کی طرف جارہی تھی۔ حمید نے ابھی تک نہیں

پوچھا تھا کہ وہ کہاں جا رہے ہیں۔

کچھ دیر بعد فریدی بولا۔ ”کیا تمہیں علم ہے کہ جہاز یوں کے اس سلسلے کے درمیان بالآخر

ایک پتلی سی پگڈنڈی دریافت کر لی گئی ہے۔“

”نہیں..... میں جشن برپا کرنے میں مشغول تھا اس خوشی میں کہ شکار کا پروگرام اللہ میاں

کی طرف سے ختم ہو گیا۔“

فریدی اس کی بکواس پر دھیان دیئے بغیر بولا۔ ”پگڈنڈی ایک ایسی جگہ لے گئی تھی جہاں

چھپ رہنے کے لئے خاصی گنجائش تھی اور وہیں دو خالی کارتوس بھی ملے تھے۔“

”میرا خیال ہے کہ کوئی بھی ہندوق کارتوس پرانے خالی ہونے کی تاریخ نہیں چھاپ سکتی۔“

”لیکن خالی کارتوس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ وہ کب خالی ہوئے ہوں گے۔“

”ہوں.....!“ حمید کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔

”کارتوسوں پر انگلیوں کے نشانات بھی ملے تھے۔“

”بس اب پبلک کے نشان ہائے انگشت لیتے پھریں گے۔“ حمید جھنجھلا کر بولا۔

”میں اس طریق کار ہی کو فضول سمجھتا ہوں۔“

”بعض حالات میں۔“

”قطعی طور پر۔“

”تمہارا خیال غلط ہے۔“ فریدی نے ونڈا سکرین پر نظر جماتے ہوئے کہا۔ ”بہر حال اس

قسم کے نشانات ہمارے مصدقہ ریکارڈ میں موجود نہیں۔ لیکن غیر مصدقہ نشانات کے فائل میں

ان کے مماثل مل گئے ہیں۔“

”اوہ تو یہ قصہ تھا..... اب ہم کہاں جا رہے ہیں۔“

”لارڈو۔“

”یہ کیا بلا ہے؟“

”ایک فرم کا نام ہے جو مختلف قسم کے برنس کرتی ہے۔ پچھلے سال اس کا ایک کارکن قتل کر دیا گیا تھا..... اس کے سینے میں جو خنجر پیوست تھا اس کے دسے پر ایسے ہی نشانات پائے گئے تھے لیکن ہمارے ریکارڈ میں ان کے مماثل نہیں مل سکے تھے۔“

”اور وہ غیر مصدقہ نشانات کی فائل میں ڈال دیئے گئے تھے۔“ حمید نے برا سامنا بنا کر کہا۔ ”اور اب وہ ان نشانات سے مماثلت رکھتے ہیں جو ان کارٹوسوں پر پائے گئے ہیں۔ لہذا اب ہمارا فرض ہے کہ خلاء میں ہاتھ پاؤں مارتے رہیں۔“

”لارڈو والا کیس شاید چٹرجی کے ہاتھ میں تھا۔ لیکن وہ کامیاب نہیں ہوا تھا۔ اس کارکن کا قاتل آج بھی پردہ راز میں ہے۔“

”تو اب لارڈو میں کیا کریں گے۔“

”بس دیکھنا۔“

حمید خاموش ہو گیا۔ پھر تھوڑی دیر بعد اس نے پوچھا ”کیا یہ ضروری ہے کہ.....!“

”خاموش رہو۔“ فریدی بولا۔ ”میں جانتا ہوں جو تم کہنا چاہتے ہو۔ ہاں یہ ضروری ہے کہ بعض اوقات تم مجھے اسسٹ کرو۔“

”اور ان اوقات میں جو آپ کے بعض اوقات سے مختلف ہوں۔“ حمید نے سوال کیا۔

فریدی کچھ نہ بولا۔ تھوڑی دیر خاموشی رہی..... حمید اب بھی کھڑکی سے باہر دیکھ رہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا۔ آخر وہ کیسا احمق قاتل تھا جو خنجر کے دسے پر اپنی انگلیوں کے نشانات چھوڑ گیا تھا اور اب کارٹوسوں پر بھی۔ کیا وہ اس خنجر کو مقتول کے سینے سے نکال کر اپنے ساتھ نہیں لے جا سکا تھا۔ کیا یہ ضروری تھا کہ وہ اُن خالی کارٹوسوں کو وہیں چھوڑ کر چل دیتا جہاں وہ خالی کئے گئے

تھے۔ اس نے اس نئے سوال کو زبان سے بھی دہرایا۔

”ہوں..... یہ چیز غور طلب ہے۔“ فریدی بولا۔ ”میرا خیال ہے کہ میں نے جلد بازی

سے کام لیا۔ غیر مصدقہ نشانات کے پورے ریکارڈ کی چھان بین ہونی چاہیے۔“

”میں نہیں سمجھا۔“

”ہو سکتا ہے..... یہی نشانات کچھ اور کیسوں میں بھی نظر آئیں۔ ایسے کیسوں میں جو کسی

نتیجے پر پہنچنے بغیر ختم کر دیئے گئے ہوں؟“

”ممکن ہے.....!“ حمید کٹکھیوں سے اُسے دیکھتا ہوا بولا۔

دفعۃ فریدی نے گاڑی روک دی اور حمید نے کھڑکی سے باہر دیکھا۔ بائیں جانب والی

عمارت پر ”لارڈو“ کا بورڈ نظر آیا۔

”یہاں آپ کس سے ملیں گے۔“ اس نے پوچھا۔

”کسی بھی ذمہ دار آدمی سے۔“

لیکن اس وقت وہاں کوئی بھی ذمہ دار آدمی نہ مل سکا۔ چونکہ دار نے بتایا کہ لارڈو کے

دفاتر تین بجے بند ہو جاتے ہیں اور اس وقت چار بج رہے تھے۔

”واقعی اسم بامسمیٰ ہیں یہ لوگ۔“ حمید بڑبڑایا۔ ”تین ہی بجے دفاتر بند کر دیتے ہیں۔“

پھر وہ فٹ پاتھ سے گاڑی کی طرف مڑ رہے تھے کہ اوپری منزل سے کسی نے فریدی پر

چھلانگ لگائی۔ لیکن اس کے شانوں پر سے ہوتا ہوا سڑک پر جا پڑا۔ کیونکہ فریدی نے بڑی پھرتی

سے اپنے گھٹنے فرش پر ٹیک دیئے تھے۔

چھلانگ

”سرسے ہی لمحے میں فریدی کا ریوالور بغل کے ہولسٹر سے نکل آیا۔ حملہ آور سڑک پر

گھٹنوں کے بل پڑا ہوا ہتھیلیاں ٹیک کر اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ فریدی اس کی طرف جھپٹا لیکن قریب پہنچنے سے قبل ہی حملہ آور منہ کے بل گر چکا تھا۔

حمید کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

”یہ تو..... یہ تو.....!“ اس نے ہکلا کر کہا۔ ”وہی ڈائریکٹر ہے۔“

”اور مرچکا ہے۔“ فریدی آہستہ سے بولا۔

وہاں بھیڑ ہونے لگی تھی۔ فریدی نے ہاتھ ہلا کر انہیں ہٹنے کا اشارہ کیا۔ ڈیوٹی کانسٹیبل بھی وہاں پہنچ چکے تھے۔ فریدی نے انہیں چند ہدایات دیں اور عمارت کی اوپری منزل کی طرف دیکھنے لگا۔ عمارت دو منزلہ تھی۔ غالباً وہ بالکنی سے کودا تھا۔

حمید نے اس خنجر کو اٹھانا چاہا جو حملہ آور کے ہاتھ سے نکل کر قریب ہی پڑا ہوا تھا۔

”نہیں..... اسے ہاتھ نہ لگاؤ۔“ فریدی نے کہا اور ڈیوٹی کانسٹیبلوں سے بولا۔ ”کسی کو

لاش کے قریب مت آنے دیتا۔“

اور حمید سے کہا کہ وہ متعلقہ تھانے کو فون پر مطلع کر دے۔

اب وہ اوپری منزل کے زینوں کی طرف جا رہا تھا۔ حمید نے ایک دوکان سے علاقے کے تھانے کے انچارج کو فون پر اطلاع دی اور پھر لاش کے پاس واپس آ گیا۔

مرنے والے نے فریدی پر چھلانگ ہی لگائی تھی۔ حمید کو یقین تھا اور اس نے اس کی مٹھی میں جکڑے ہوئے چاقو کو بھی سڑک پر پھسلتے دیکھا تھا۔ لیکن اتنی بلندی سے چھلانگ لگا کر حملہ کرنے کی وجہ اس کی سمجھ میں نہ آ سکی۔ وہ تو ایک طرح سے خودکشی ہی تھی۔

فریدی ابھی تک واپس نہیں آیا تھا۔ حمید بار بار زینوں کی طرف دیکھنے لگتا۔

تھانے کے انچارج کے آنے سے قبل وہ وہاں سے بل بھی نہیں سکتا تھا۔

کچھ دیر بعد تھانے کی ٹیم وہاں پہنچ گئی اور حمید انچارج کو مختصر لاش کے متعلق سب کچھ بتا کر زینوں کی طرف جھپٹا۔

زینوں کا انتقام بالکنی ہی پر ہوا تھا۔ وہ سرے پر رک گیا۔ بالکنی سنسان پڑی تھی۔ شاید

یہاں کئی فلیٹ تھے اور وہ ان کی مشترکہ بالکنی تھی۔

دفعتاً فریدی ایک دروازے سے برآمد ہوتا ہوا دکھائی دیا اور حمید کو دیکھ کر وہیں رک گیا۔

”کیا قصہ ہے۔“ حمید نے اس کے قریب پہنچ کر پوچھا۔

”صرف ایک فلیٹ کا دروازہ کھلا ہوا ملا ہے۔“ فریدی نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے

کہا۔ ”لیکن وہ بالکل خالی پڑا ہے..... میرے خیال سے شاید پڑوس کا کوئی آدمی کچھ بتا سکے۔“

فریدی نے برابر والے دروازے پر دستک دی۔ کچھ دیر بعد دروازہ کھلا اور ایک ادھیڑ عمر آدمی دکھائی دیا۔

فریدی نے اس سے برابر والے فلیٹ کے مکین کے متعلق پوچھا۔

”جی ہاں..... کوئی صاحب رہتے ہیں۔“ اس نے کسی قدر پس و پیش کے ساتھ کہا ”لیکن

میں ان کا نام نہیں جانتا۔“

”بات دراصل یہ ہے کہ ابھی اس بالکنی سے ایک آدمی نیچے گر کر مر گیا ہے۔“ فریدی نے کہا۔

”کیا آپ اس کی شناخت کر سکتے ہیں۔“

”گر کر مر گیا۔“ اس نے بوکھلائے ہوئے انداز میں دہرایا اور منہ کھولے کھڑا رہا۔

”جی ہاں! شبہ ہے کہ وہ اسی فلیٹ کا مکین ہو سکتا ہے۔“

”آپ..... کون ہیں۔“

”پولیس.....!“

”اوہ..... تو میں کیا کر سکتا ہوں۔“

”کچھ دیر کے لئے چلنے کی زحمت گوارا فرمائیے۔“

”اچھا..... اچھا..... میں ذرا قمیض پہن لوں۔“

”بہتر ہے۔“

وہ دونوں اس کی واپسی کے منتظر رہے۔ دروازہ بھیڑ کر وہ اندر چلا گیا تھا۔ کچھ دیر بعد

واپس آیا۔

کے ساتھ چلا آیا۔

فریدی نے صوفی کی طرف اشارہ کیا۔ وہ متوحش سا بیٹھ کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔

”وہ یہاں تنہا ہی رہتا تھا۔“ فریدی نے پوچھا۔

”جی ہاں۔“

”آپ سے کیسے تعلقات تھے۔“

”بس ایسے ہی کہ نام تک نہیں جانتا۔“

”اوہو..... حالانکہ وہ ایک مشہور آدمی تھا۔ فلم ڈائریکٹر بنزاد.....!“

”اچھا.....!“ پڑوسی کے لہجے میں حیرت تھی۔ پھر وہ سنبھل کر بولا۔ ”یہی وجہ ہے کہ یہاں لڑکیاں آیا کرتی تھیں اور ہم لوگ سمجھتے تھے کہ وہ کوئی عیاش آدمی ہے اور محض عیاشی کے لئے یہ فلیٹ لے رکھا ہے۔“

”کیا وہ مستقل طور پر یہاں نہیں رہتا تھا؟“

”جی نہیں۔ کئی کئی دن یہاں قفل پڑا رہتا تھا۔“

”کبھی یہاں لڑائی جھگڑے کی بھی آواز سنی تھی؟“

”میں ہر وقت تو گھر پر رہتا نہیں۔“

”ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔“ فریدی سر ہلا کر بولا۔ ”کیا یہاں کسی پڑوسی سے بھی اس کے

تعلقات تھے۔“

”مجھے علم نہیں؟“

”اچھا شکریہ..... اگر ضرورت پڑی تو پھر تکلیف دی جائے گی۔“

وہ چلا گیا۔

ایک ہی لائن میں چار فلیٹ تھے۔ فریدی نے بقیہ دو فلیٹوں کے رہنے والوں سے بھی پوچھ گچھ کی۔ لیکن اس کے علاوہ اور کچھ نہ معلوم ہو سکا کہ وہ فلیٹ پچھلے ایک سال سے مرنے والے کے قبضے میں تھا۔

نیچے سڑک پر کانشیلوں نے لاش کے گرد حلقہ بنالیا تھا اور تماشائی دوسرے فٹ پاتھ پر

اب بھی موجود تھے۔

لاش کو دیکھ کر پڑوسی پر بوکھلاہٹ کا دورہ پڑ گیا۔ اس کے ہاتھ پیر پری طرح کانپ رہے

تھے۔ بدقت وہ تیار سا کہ مرنے والا اس کا پڑوسی ہی تھا۔ فریدی اُسے پھر اوپر لایا۔

”آپ کچھ دیر آرام کر لیں۔“ فریدی نے نرم لہجے میں کہا۔ ”آپ کو پھر تکلیف دوں گا۔“

”جی کوئی بات نہیں..... ضرور ضرور.....!“ وہ ہانپتا ہوا بولا اور اپنے فلیٹ میں چلا گیا۔

وہ دونوں مرنے والے کے فلیٹ میں آئے۔ یہ نشست کا کمرہ تھا۔ صوفہ سیٹ کے

درمیان ایک چھوٹی سی میز پر وہاٹ ہارس کی بوتل اور دو گلاس رکھے ہوئے تھے۔ کسی جگہ بھی بد نظمی کے آثار نہیں تھے۔

”کیا خیال ہے تمہارا۔“ فریدی نے حمید کی طرف مڑ کر پوچھا۔ ”اس نے مجھ پر چھلانگ

لگائی تھی۔“

”گرے آپ تھے اور خیال میں ظاہر کروں۔“

”میں نے آج تک نہیں سنا کہ کسی حملہ آور نے کسی پراقتی بلندی سے چھلانگ لگائی ہو۔“

”خدا کا شکر ہے کہ آج آپ نے دیکھ لیا۔“

”شش.....!“ فریدی برا سامنہ بنا کر بولا۔ ”تم نہیں سمجھے۔“

حمید نے شانوں کو جنبش دی اور مینٹل پیس پر رکھی ہوئی تصویر دیکھنے لگا۔ یہ تصویر فلم اشار

آشا کی تھی۔

”تو یہ ڈائریکٹر صاحب خود بھی اس کے پر دانوں میں سے تھے۔“ حمید بڑبڑایا۔

”جو گتا کا فنا سر بے موت مر گیا۔“ فریدی بولا۔ چند لمحے ادھر ادھر دیکھتا رہا۔ حمید سے

بولا۔ ”اسے بلا لاؤ۔“

اشارہ مرنے والے کے پڑوسی کی طرف تھا۔ حمید کمرے سے نکل کر اس کے دروازے پر

آیا۔ دستک دی۔ پڑوسی باہر آیا۔ لیکن اس کی حالت ابھی تک نہیں سنبھلی تھی۔ بہر حال وہ اس



لاش اٹھوائی جا چکی تھی۔ فریدی نے آفس میں پہنچ کر احکامات جاری کئے کہ پوسٹ مارڈ کی رپورٹ حاصل کرنے میں جلدی کی جائے۔

”آخر آپ کیا سوچ رہے ہیں۔“ حمید نے اس سے پوچھا۔

”مجھے یقین نہیں ہے کہ اس نے حملہ کرنے کی نیت سے اتنی بلندی سے چھلانگ لگائی ہوگی۔“

”اس کے ہاتھ میں گلدستہ نہیں خنجر تھا جناب کرنل صاحب۔“

”پھر؟“

”پھر یہ کہ مقصد نفل گیر ہونا نہیں تھا۔“

”میں اس کے فلیٹ سے وہاٹ ہارس کی بوتل اور وہ دونوں گلاس بھی لایا ہوں۔“

”اچھا..... اچھا.....!“ حمید سر ہلا کر بولا۔ ”تو آپ نشے میں ہیں اس وقت چلنے کوئی بات

نہیں۔ اب تو میں اس پر بھی یقین کر لوں گا کہ اس نے جو گتا کے کچھ رش پرنٹ دکھانے کے

لئے آپ پر چھلانگ لگائی تھی۔“

فریدی کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ نظر آئی۔ لیکن وہ کچھ بولا نہیں۔ سگار سلگا کر

کرسی کی پشت سے ٹک گیا اور آنکھیں بند کر لیں۔

حمید اُسے دیکھتا رہا۔

دفتر فریدی نے آنکھیں کھولیں اور حمید کے چہرے پر نظر جمائے ہوئے بولا۔ ”کسی نے

اس کو مجھ پر دھکیلا تھا۔ اس سے پہلے وہ دونوں شراب پیتے رہے تھے۔ ڈائریکٹر بہزاد نشے میں

تھا۔ ہو سکتا ہے بہت زیادہ نشے میں رہا ہو۔ ایسی صورت میں اس کے ہاتھ میں خنجر دیا جاسکتا ہے۔“

”لیکن دھکیلنے والا کہاں گیا۔“

”وہ اسی وقت زینوں سے اتر کر بھیڑ میں مل گیا ہوگا جب ہم بہزاد کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔“

”اگر یہ بات ہے تو پھر میں جا رہا ہوں۔“

”کہاں۔“

”سدرن اسٹوڈیوز۔“ حمید اٹھتا ہوا بولا۔

جینی ابھی ابھی آ کر آفس میں بیٹھی تھی۔ پچھلی شام کی ڈاک نکال ہی رہی تھی کہ بوڑھی عورت کمرے میں داخل ہوئی۔

”کچھ سنا تم نے۔“ اس کی آنکھیں حیرت سے پھیلی ہوئی تھیں۔

”کیا..... بیٹھے..... بیٹھے۔“

”کل یہاں بڑا غضب ہو گیا۔“

”کیا ہوا۔“

”محکمہ سراغ رسانی کے کرنل فریدی کا نام سنا ہے۔“

”جی ہاں۔ وہی جو کل کمار والے کیس کی تفتیش کر رہے ہیں۔“

”ہاں کل وہ ہمارے آفس میں آیا تھا۔“

”اچھا..... کس وقت۔“

”آفس بند ہو چکا تھا۔ لیکن.....!“

”لیکن کیا.....!“

”کیا بتاؤں..... بڑی حیرت انگیز باتیں سامنے آ رہی ہیں۔ ہمیں تو یہی نہیں معلوم تھا کہ

ڈائریکٹر بہزاد اوپر رہتا ہے۔“

”اوپر.....!“ جینی نے متحیرانہ لہجے میں کہا۔ ”یعنی اوپر والے فلیٹوں میں سے کسی میں۔“

”ہاں..... اور سنو۔“ بوڑھی کی آنکھیں بدستور حیرت سے پھٹی رہیں۔ لیکن اس نے جملہ

پورا نہیں کیا۔ جینی اسے استغہامیہ انداز میں دیکھتی رہی۔

”بہزاد ہاتھ میں چھرا لے کر اس پر کودا تھا۔“

”کس پر؟“

”کرنل فریدی پر.....!“

”پھر کیا ہوا.....؟“

”ہوتا کیا..... وہ مر گیا؟“

”کون مر گیا۔“ جینی کے لہجے میں جھلاہٹ تھی۔

”بہزاد اور کون۔“

”کیا کرنل فریدی نے مار ڈالا۔“

”ارے نہیں۔ خود ہی مر گیا۔ بھلا اتنی اونچائی سے کودے گا تو اور کیا ہوگا۔“ جینی خاموش سے اُسے دیکھتی رہی۔

”اور اب..... وہ یہاں پوچھ گچھ کر رہا ہے۔“

”یہاں کیوں؟“

”بوڑھی عورت کچھ نہ بولی۔ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتی رہی پھر بولی۔“ ابھی وہ جنرل فز کے کمرے میں ہے۔ میرا خیال ہے میں بھی بلوائی جاؤں گی۔“

”آپ کیوں.....؟“ جینی نے اختیار نہ لہجے میں پوچھا۔

”میرے سیکشن کا تعلق فلم سے ہے نا۔“

”تو وہ آپ سے بہزاد ہی کے متعلق پوچھ گچھ کرے گا۔“

”لیکن میں بہزاد کو کیا جانوں..... میرا اس سے کبھی سابقہ نہیں پڑا۔“ مسز رگھیر نے بڑا مٹہ بنا کر کہا۔

”اس کی اس فلم جو گتا کے لئے کس نے ایکسٹرا آرٹسٹ مہیا کئے تھے؟“

”پتہ نہیں..... ہم نے تو نہیں کئے..... ہم سے تو بڑی ہی کمپنیوں سے معاملت ہوتی ہے..... باقی لوگ ٹپوٹیوں سے کام چلاتے ہیں۔“

جینی پھر کچھ بولنے والی تھی کہ جنرل فز کا اردلی کمرے میں داخل ہوا اور جینی کو مخاطب کر کے بولا۔ ”صاحب نے سلام دیا ہے۔“

”مم..... مجھے..... یعنی..... مجھے۔“ جینی ہکلائی اور مسز رگھیر کی طرف دیکھنے لگی۔ لیکن

بے تعلقانہ انداز میں بیٹھی رہی۔

جینی کو ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے خود اُسے کرسی نے جکڑ لیا ہو۔ آخر اُسے کیوں بلایا گیا ہے؟

”جاؤ نا۔“ مسز رگھیر نے کچھ دیر بعد کہا۔ کیونکہ اردلی اب بھی وہیں کھڑا تھا۔ شاید اُسے

ہدایت کی گئی تھی کہ ساتھ ہی لے کر آئے۔

بلآخر وہ اٹھی اور چلتے وقت محسوس کیا کہ اس کے قدم توازن کھو بیٹھے ہیں۔ کسی نہ کسی

طرح جنرل فز کے کمرے میں پہنچی۔ وہاں جنرل فز کے علاوہ دو اور آدمی نظر آئے۔ ان میں

سے ایک کچم شیم تھا اور دوسرا چھریرے جسم والا..... کچم شیم آدمی سے اس کی نظریں ملی تھیں اور وہ

کانپ کر رہ گئی تھی۔ ایسا محسوس کیا جیسے آنکھوں ہی کے راستے اس کے جسم کی ساری قوت نکل

کر فضا میں تحلیل ہو گئی ہو۔

”مس جینی۔“ جنرل فز نے کہا۔ ”آپ محکمہ سراغ رسانی کے ایک آفیسر ہیں۔ تم سے

باس کے متعلق کچھ پوچھنا چاہتے ہیں۔ بیٹھ جاؤ۔“

اس نے تیسری کرسی کی طرف اشارہ کیا تھا جو کچم شیم آدمی کے مقابل تھی۔ بیٹھے وقت

پھر نظریں ملیں۔ عجیب سی آنکھیں تھیں۔ بڑی بڑی اور خوابناک۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے

یہیں بیٹھے بیٹھے سو جائے گا..... وہ پھر کانپ اٹھی۔

لیکن اس کی آواز سن کر ایسا محسوس ہوا جیسے ایک ہزار آدمی اس کی طمانیت قلب کے لئے

ہمدردانہ انداز میں گفتگو کر رہے ہوں۔

”مجھے افسوس ہے محترمہ آپ کو تکلیف دینی پڑی۔“ اس نے کہا تھا۔

”نف..... فرمائیے۔“ وہ ہکلائی۔

”آپ کے باس سے کب ملاقات ہو سکے گی۔“

”بب..... بہت مشکل ہے۔“ وہ ہکلائی۔

”میں نہیں سمجھا۔“

”میرا مطلب ہے یہ بتانا بہت مشکل ہے۔“

”وہ جتنے میں صرف ایک بار آتے ہیں..... کوئی مخصوص دن مقرر نہیں ہے۔“ اس نے استفہامیہ انداز میں جزل نیجر کی طرف دیکھا۔

”مجھ سے ایک سال سے ملاقات نہیں ہوئی۔“ جزل نیجر بولا۔
”بڑی عجیب بات ہے۔“

”نہیں جناب۔ عجیب بات نہیں۔ میں آپ کو وجہ بتا چکا ہوں۔“
”ہوں۔“ وہ کچھ سوچ رہا تھا۔ یکایک پھر اجنبی کی طرف متوجہ ہو گیا۔
”کیا آفس ہی کے اوقات میں آتے ہیں۔“ اس نے اس سے پوچھا۔
”جی نہیں.....!“ جینی بولی۔ ”تین بجے کے بعد۔“
”تو آپ کو تین بجے کے بعد بھی ٹھہرنا پڑتا ہے۔“
”جی ہاں۔“

”لیکن کل آپ یہاں نہیں تھیں۔“

وہ یوں ہی روا روی میں ”جی ہاں“ کہہ گئی تھی اور اب سوچ رہی تھی کہ کس طرح بات بنائے۔ جاسوسی ناول پڑھ کر اس کا ذہن بال کی کھال نکالنے کا عادی ہو گیا تھا۔ فوراً ہی اُسے خیال آیا کہ کہیں اُسے غلط بیانی کی مرکتب نہ گردانا جائے۔

”جج..... جی ہاں کل میں نہیں تھی۔“ اس نے کپکپاتی ہوئی آواز میں کہا۔ ”دراصل میری ڈیوٹی صرف تین گھنٹے کی ہوتی ہے۔ جب باس کو نہیں آنا ہوتا تو صبح سے تین گھنٹے کے لئے اور جب آنا ہوتا ہے تو تین بجے کے بعد کسی وقت ڈیوٹی ہوتی ہے۔“

”غالباً ابھی آپ نے کہا تھا کہ آپ کو علم نہیں ہوتا کہ وہ کب آئیں گے۔“

”جی ہاں..... اگر انہیں کل آنا ہوگا تو آج مجھے فون پر اطلاع مل جائے گی اور کل میں

تین بجے کے بعد آؤں گی۔“

”اوہ..... اچھا..... آپ میرا کارڈ رکھئے۔ جب بھی ملاقات ہو ان سے کہئے گا کہ میں ملنا

چاہتا ہوں۔ براہ کرم ان سے وقت لے لیجئے گا۔“

”جی بہت اچھا۔“ جینی نے طویل سانس لی اور اس کا وزیٹنگ کارڈ لے کر دیکھے بغیر پرس میں رکھ لیا۔

پھر وہ دونوں چلے گئے تھے۔ جینی وہیں بیٹھی رہی۔ جزل نیجر اُسے خاموشی سے دیکھے جا رہا تھا۔

آخر کچھ دیر بعد کھار کر بولا۔ ”پتہ نہیں..... کیا چکر ہے۔ گڑھے مردے کیوں اکھڑ رہے ہیں اور اس کبخت کو بھی اسی وقت حملہ کرنا تھا۔“

”لیکن اسکا ہماری فرم سے کیا تعلق..... وہ باس سے کیوں ملنا چاہتے ہیں۔“ جینی نے پوچھا۔
”پچھلے سال یہاں کے ایک شعبے کا نیجر قتل کر دیا گیا تھا۔ قاتل کا پتہ پولیس نہیں لگا سکی تھی۔ اب یہ لوگ پھر اس کے متعلق پوچھ گچھ کرتے پھر رہے ہیں۔ لیکن باس کے علاوہ اس کے متعلق اور کوئی کچھ نہیں جانتا۔ کیونکہ اس کی ملازمت کی مدت صرف تین ماہ تھی اور باس نے براہ راست اس کا تقرر کیا تھا۔“

جینی سوچ میں ڈوبی ہوئی اپنے کمرے میں واپس آ گئی۔ مسز رگھیر اب بھی وہیں موجود تھی۔
”کیوں..... کیا بات تھی۔“ اس نے پوچھا۔

”وہ باس سے ملنا چاہتے ہیں۔“

”کیوں؟ باس سے کیوں ملنا چاہتے ہیں۔“

”پچھلے سال یہاں کا کوئی آدمی قتل کر دیا گیا تھا۔ اسکے متعلق پوچھ گچھ کرنا چاہتے ہیں۔“
”قتل کر دیا گیا تھا۔ پچھلے سال..... ہاں ہاں..... فارورڈنگ اور کلیئرنگ سیکشن کا انچارج

تھا۔ کسی نے چھرا مار کر ہلاک کر دیا تھا۔ لیکن اب ایک سال بعد پوچھ گچھ کر رہے ہیں یہ لوگ۔“

”سنا ہے باس نے براہ راست اس کا اپائنٹمنٹ کیا تھا۔“

”کس سے سنا ہے؟“ مسز رگھیر نے اسے غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”جی ایم صاحب کہہ رہے تھے۔ غالباً انہی سے پوچھا گیا تھا۔ اس کے متعلق۔ انہوں

نے مجھے بلوا بھیجا۔“

”اس نے تمہیں بلوا بھیجا۔“ مسز رگھیر خلاء میں گھورتی ہوئی جیسے خود سے بولی۔

جینی اسے اس طرح دیکھنے لگی جیسے اس کا یہ رویہ کسی قسم کی مصنوعیت رکھتا ہو۔ جاموس ناولوں کے مطالعے نے ایسے موقع پر اسے چونکنا سکھا دیا تھا۔ اس نے محسوس کیا جیسے مسز رگھیر اس قتل کے متعلق کچھ جانتی ہو۔

”آپ کچھ پریشان سی نظر آ رہی ہیں۔“ اس نے کہا اور مسز رگھیر چونک کر اسے اس طرح گھورنے لگی جیسے وہاں اس کی موجودگی سے لاعلم رہی ہو۔

”پریشان..... نہیں تو۔“ وہ ہنس پڑی۔

قاتل

رات کے کھانے پر فریدی شروع ہی سے خاموش رہا تھا۔ حمید نے چھیڑنا مناسب نہیں سمجھا۔ کھانے کے بعد لائبریری میں کافی پیتے وقت فریدی نے مسکرا کر کہا۔ ”بعض اوقات ایسا غلطیاں سرزد ہوتی ہیں کہ خود کو حکمہ سراغ رسانی سے متعلق سمجھنے میں شرم محسوس ہوتی ہے۔“

”ہے ہی شرمناک بات۔“ حمید نے سنجیدگی سے کہا۔ ”کب استغنیٰ دے رہے ہیں۔“

فریدی کافی کی پیالی رکھ کر سگار سلگانے لگا۔ حمید اسے استفہامیہ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ سگار سلگا کر اس نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا۔ ”سنو گے۔ وہ غلطی کیا تھی۔“ اور پھر اس کے جواب کا انتظار کئے بغیر بولا۔ ”میں نے یہ معلوم کرنے کی کوشش نہیں کی تھی کہ ڈائریکٹر ہزاراد اس وقت کہاں تھا جب کل کمار کے گھوڑے پر فائرنگ ہوئی تھی۔“

”اوہ.....!“ حمید چونک کر بولا۔ ”تو کیا وہ کمرے والے ٹرک پر نہیں تھا۔“

”نہیں۔“

”تو پھر کہاں تھا۔“

”کیمپ میں۔“ وہ کئی دن سے کوشش کر رہا تھا کہ اغواء کے منظر کی فلم بندی ہو جائے۔ لیکن مطلع ابر آلود ہونے کی وجہ سے موقع نہیں ملتا تھا۔ اس نے اس دن تہیہ کر لیا تھا کہ اگر ذرا دیر کیلئے بھی دھوپ نظر آئی تو وہ اس منظر کو ضرور ٹیک کرے گا۔ ساری تیاریاں مکمل تھیں۔ جیسے ہی دھوپ نظر آئی متعلقہ لوگ شوٹنگ کیلئے تیار ہو گئے۔ لیکن عین وقت پر ہزاراد کے پیٹ میں بڑے زور کی اینٹھن ہوئی۔ وہ بے دم ہو گیا۔ لیکن یہی چیخا رہا کہ شوٹنگ ہوگی۔ اس نے اپنے اسسٹنٹ سے کہا کہ وہ ٹرک پر جائے۔ وہ سب وہاں سے روانہ ہو گئے تھے اور وہ رفق حاجت کے لئے جھاڑیوں میں چلا گیا تھا اور پھر بقیہ لوگوں نے اسے اس حادثہ کے بعد ہی دیکھا تھا۔“

حمید کچھ نہ بولا۔ فریدی بھی خاموش ہو گیا تھا۔ کچھ دیر بعد بولا۔ ”کیمپ میں اس کے پاس دو ٹالی ہندوق بھی تھی۔ یہ بات بھی اس کے مرنے کے بعد ہی معلوم ہوئی کہ وہ سگار کا شوق بھی رکھتا تھا۔“

”تو پھر آپ کس نتیجے پر پہنچے ہیں۔“

”یہی کہ اب اسے کل کمار کے قتل کے الزام میں پھانسی نہیں دی جاسکتی۔“

”کیا مطلب.....!“

”کارٹوسوں پر اسی کی انگلیوں کے نشانات تھے اور اس خنجر پر بھی جو پچھلے سال لارڈو کے ایک کارکن کے قتل میں استعمال ہوا تھا۔“

”چلے نجات ملی در دسر سے۔“ حمید نے طویل سانس لے کر کہا۔ ”لیکن پھر آپ کیوں ادھر ادھر پوچھ گچھ کرتے پھر رہے ہیں۔“

”کچھ ہی دیر پہلے اس نتیجے پر پہنچا ہوں..... سات بجے ننگر پرنٹ سیکشن کے انچارج نے فون پر اطلاع دی تھی کہ وہ سارے نشانات ہزاراد ہی کی انگلیوں کے تھے..... اس کے فلیٹ سے جو بوتل اور گلاس لایا تھا ان پر بھی اس کی انگلیوں کے نشانات کے علاوہ کسی دوسری قسم کے نشانات نہیں ملے۔“

”لیکن آپ اُسے کس طرح ثابت کریں گے کہ وہ دوسرا آدمی اس وقت وہاں موجود تھا

جب وہ آپ پر گرا تھا۔“

”بلاشبہ..... میں اسے ثابت نہیں کر سکوں گا۔“

”ہو سکتا ہے۔“ حمید پاپ میں تمباکو بھرتا ہوا بولا۔ ”کچھ دیر پہلے وہاں کوئی رہا ہی ہو..... اور وہ یقینی طور پر کوئی عورت ہی ہو سکتی ہے۔ ورنہ ایسے موسم میں دستانے کیوں پہنے گا۔ بعض لڑکیاں اپنے بھدے ہاتھوں کی نمائش پسند نہیں کرتیں۔ اس لئے گھر سے باہر نایلوں کے دستانے استعمال کرتی ہیں۔“

”تم بہت بڑے سراغ رساں ہوتے جا رہے ہو۔“ فریدی مضحکہ انداز میں آنکھیں پھاڑ کر بولا۔ ”مجھے ڈر ہے کہ کہیں تمہارا سراغ ہی ملنا نہ بند ہو جائے۔“

”خیر..... خیر..... ہاں تو اس کے سلسلے میں کتنے جرائم کا انکشاف ہوا ہے۔“

”ہمارے ریکارڈ کے مطابق تین کیس اور ہیں جواب سے پچھلے دس سال کے وقفے میں ہوئے تھے اور یہ تینوں بھی فلم انڈسٹری ہی سے متعلق تھے۔ ایک اداکار تھا اور دو اداکارائیں۔ اتنا مشاق مجرم اور ایسی غلطی کی کر جائے۔ ہر جگہ اس نے اپنی انگلیوں کے نشانات چھوڑے تھے۔“

”ہو سکتا ہے۔ جاسوسی ناول پڑھ کر مجرم نہ بنا ہو۔“ حمید نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ”اچھا اس کے علاوہ اور کون کون رہ گیا تھا کیپ میں۔“

”اب آئے ہو راہ پر۔“ فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرایا۔ پھر اس نے جیب سے کاغذ کا ایک ٹکڑا نکال کر اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ”یہ رہی ان لوگوں کی فہرست۔“

حمید نے اس پر ایک اچھتی سی نظر ڈال کر پوچھا۔ ”کیا آپ لوگوں سے پوچھ گچھ کر چکے ہیں۔“

”صرف ایک سے..... فون پر..... سات بجے کے بعد اور اسی سے معلوم ہوا تھا کہ وہ ٹرک پر نہیں تھا۔“

”اب ان سبھوں سے دوبارہ الجھنا پڑے گا۔“

”بے حد مشاق آدمی تھا۔“ فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”وقت کے اندازے کا باہر..... وہ

”لیکن میز پر دو گلاس تھے۔“

”ہو سکتا ہے..... کوئی اور بھی وہاں رہا ہو..... لیکن وہ بہت محتاط تھا۔ دوسرے گلاس پر

نشانات ہیں تو لیکن دستانے میں چھپی ہوئی انگلیوں کے۔“

”چھٹکارا ناممکن ہے۔“ حمید گلوگیر آواز میں بولا۔

”اور پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کہتی ہے کہ مرتے وقت وہ بہت زیادہ نشے میں تھا۔“

”تو پھر..... تو پھر اب ہمیں کیا کرنا ہوگا۔“

”میں چاہوں تو کیس یہیں ختم ہو سکتا ہے۔“

”خدا کے لئے ضرور چاہئے۔“

”لیکن یہ کسی طرح بھی ممکن نہیں..... کیونکہ ان دو کے علاوہ ہزار قتل کی متعدد وارداتوں

میں ملوث تھا۔ غیر مصدقہ نشانات کے فائل میں کئی کیس اور ملے ہیں ان کے سلسلے میں پائے

جانے والے نشانات ہزار کی انگلیوں کے علاوہ اور کسی کے نہیں ہو سکتے۔“

”لہذا اب کسی عامل کا مل کی مدد سے اس کی روح کو گرفتار کرنے کی کوشش کیجئے۔“ فریدی

بجھا ہوا سگار سلگا رہا تھا۔ سر اٹھا کر بولا۔ ”اصل مجرم کی تلاش ہی کی تلاش ثابت ہوگی۔“

”اصل مجرم!“ حمید جھنجھلا گیا۔ ”کیا ثبوت ہے آپ کے پاس ایسی صورت میں جبکہ.....!“

”دھیرج..... دھیرج.....!“ فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”بلاشبہ وہ سارے نشانات اس کی

انگلیوں کے تھے اور وہ مر چکا ہے۔ لیکن یہ تو بتاؤ کہ وہ چہرہ لے کر مجھ پر کیوں کودا تھا۔“

”آپ کہتے ہیں کہ پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کے مطابق وہ بہت زیادہ نشے میں تھا۔

ہو سکتا ہے وہ اس وقت اوپر بالکنی میں کھڑا رہا ہو۔ جب ہم وہاں پہنچے تھے آپ کو دیکھ کر نشے

میں بہک گیا ہو۔ چونکہ قاتل تھا اس لئے دل میں چور ہونا ضروری ہے۔ شراب سے متاثر ذہن

میں یہی خیال جم گیا ہوگا کہ آپ اسی کے لئے آئے ہیں۔ بس چہرہ نکالا اور پھاند پڑا.....!“

”نفیاتی اعتبار سے یہ دلیل درست ہو سکتی ہے..... لیکن وہ دوسرا گلاس جس پر دستانے

والے ہاتھ کے نشانات ہیں.....!“

جانتا تھا کہ گھوڑوں کو کتنی دیر بعد بے ہوش ہونا چاہئے اور ٹرک کی ٹشکی میں ڈالی جانے والی ٹرک کتنے فاصلے پر انجن کو بے کار کر دے گی۔“



دوسرے دن جینی آفس سے نکل کر بس اسٹاپ پر اپنے روٹ کی بس کا انتظار کر رہی تھی۔ لیکن اسے توقع نہیں تھی کہ پہلی ہی بس میں جگہ مل جائے۔ کیونکہ بس اسٹاپ پر بھیڑ تھی اور بسیں بھی بھری ہوئی آ رہی تھیں۔

اس نے سوچا آج ٹیکسی ہی سہی۔ کچھ تھکن سی بھی محسوس کر رہی تھی۔ زیادہ دیر تک کھڑے رہنے کا تصور بھی ذہن پر گراں گذر رہا تھا۔

اس دوران میں کئی ٹیکسیاں گذریں لیکن ان میں سے کوئی بھی خالی نہیں تھی۔ دفعتاً پشت پر کسی نے اس کا نام لیا۔ وہ چونک کر مڑی اور مخاطب کرنے والے کو نیچے اوپر تک دیکھا۔

”اوہ..... یہ تو وہی تھا..... وہ جو کل جنرل منیجر کے کمرے میں کنٹرل فریدی کے ساتھ تھا۔ اس کا دل دھڑکنے لگا۔ آخر..... آخر..... اس نے اسے کیوں مخاطب کیا ہے۔“

”میرا خیال ہے کہ ہم ایک دوسرے کے لئے اجنبی نہیں ہیں۔“ اس نے بے حد نرم دلاویز لہجے میں کہا۔

”جی ہاں۔“ جینی ہلکائی۔ ”غالباً کل.....!“

”جی ہاں..... لارڈو کے جنرل منیجر کے آفس میں۔“ اس نے جملہ پورا کر دیا۔

وہ خاموش رہی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب اسے کیا کہنا چاہئے۔

آخر کیوں؟ وہ اس سے کیوں مخاطب ہوا ہے؟

”آپ کہاں جا رہی ہیں..... چلے میں اپنی گاڑی میں پہنچا دوں۔“

”شش..... شکریہ۔ میں بس سے چلی جاؤں گی۔ اس نے اپنے لہجے میں نرمی پیدا کرنے کی کوشش کی۔ دراصل یہ پیش کش اسے اچھی نہیں لگی تھی۔“

”آپ غلط سمجھیں.....“ نوجوان نے مسکرا کر کہا۔ ”میں آپ پر احسان نہیں کرنا چاہتا۔ اپنی بھی ایک غرض وابستہ ہے۔“

”جی.....!“ اس نے کسی قدر ترش لہجے میں کہا۔ ”میں نہیں سمجھی۔“

”سمجھنے کے بعد بھی آپ برا نہیں مانیں گی مجھے یقین ہے۔“ وہ مسکرایا۔ لیکن وہ متفکرانہ نظروں سے اُسے دیکھتی رہی۔

”راتے میں کچھ ضروری باتیں بھی ہو جائیں گی۔ میں دراصل اسے پسند نہیں کرتا کہ آپ کے پڑوسی کسی پولیس والے کو آپ کے گھر میں دیکھیں۔ ہر چند کہ یہ کوئی ایسی بُری بات بھی نہیں لیکن فضول قسم کی چیمگیوں سے کیا فائدہ۔ لوگ رسی کو سانپ بنا دیتے ہیں۔“

جینی نے سوچا ٹھیک ہی تو ہے۔ شریف آدمی معلوم ہوتا ہے۔ وہ خود بھی اسے پسند نہ کرتی کہ پولیس اس کے گھر پر کسی قسم کی پوچھ گچھ کرنے آتی۔

”جی ہاں..... ٹھیک ہے۔“ وہ مزید کچھ سوچے سمجھے بغیر بولی۔

وہ اسے اپنی گاڑی کی طرف لے گیا۔ بڑی شاندار گاڑی تھی۔ ایئر کنڈیشنڈ لنکن..... اس نے اگلی سیٹ کا دروازہ کھولا..... وہ ڈگدگاتے ہوئے قدموں سے اندر جا بیٹھی۔ وہ دوسری طرف سے اسٹیرنگ کے سامنے جم گیا۔

”کہاں چلے گا۔“

”فٹس ہاربر کالونی۔“

اُس نے انجن اشارت کیا اور گاڑی چل پڑی۔ جینی محسوس کر رہی تھی جیسے وہ آہستہ آہستہ فضا میں پرواز کر رہی ہو۔

”آپ کتنے عرصہ سے اس فرم میں ملازم ہیں۔“ اُس نے پوچھا۔

”چھ ماہ سے..... لیکن میرا فرم سے کوئی تعلق نہیں۔ میں تو باس کی نجی سیکریٹری ہوں۔“

”کیا یہ حقیقت ہے کہ وہ بدبودار آدمی ہے۔“

”جی ہاں..... میرا خیال ہے کہ اگر وہ منہ پر کپڑا نہ باندھے رہے تو اس جگہ ٹھہرنا محال ہو جائے جہاں وہ موجود ہو۔“

”پھر آپ کیسے برداشت کرتی ہیں۔ جبکہ آپ کی آنکھوں کی بناوٹ آپ کو بے ہوش

نفاست پسند اور نازک مزاج ثابت کرتی ہے؟“

”آنکھوں کی بناوٹ۔“

”جی ہاں۔ علم القیافہ کے مطابق ایسی بناوٹ والی آنکھیں ایسے ہی اوصاف کی طرز

اشارہ کرتی ہیں اور آپ کے ہاتھوں کی بناوٹ بھی۔“

”تو کیا ان چیزوں سے آدمی کے کردار کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔“

”جی ہاں.....!“

”تب تو آپ راہ چلتے آدمیوں کے پیچھے پڑ جاتے ہوں گے۔“ وہ ہنس پڑی۔

”ابھی تک تو ایسا نہیں ہوا۔“

”آپ مجھ سے کیا پوچھنا چاہتے ہیں۔“

”آپ کے باس کے متعلق۔“

”کیا ان پر بھی کسی قسم کا شبہ ہے۔“

”نہیں..... ہم صرف ان سے ملنا چاہتے ہیں۔“

”کیا ڈائریکٹر بہزاد کے سلسلے میں۔“ جینی نے کہا۔ ”لیکن شاید وہ اس کے بارے میں

کچھ نہ جانتے ہوں۔ اوپر کے کرایہ داروں سے ہمارا کوئی تعلق نہیں۔“

”پچھلے سال آپ کی فرم کا ایک کارکن قتل کر دیا گیا تھا۔ اس کے متعلق باس کے علاوہ

فرم کا کوئی دوسرا آدمی کچھ نہیں جانتا۔ اس کا اپائنٹمنٹ بھی براہ راست باس ہی نے کیا تھا۔“

دراصل اس کے متعلق کچھ معلومات فراہم کرنا چاہتے ہیں۔“

”ابھی تک تو مجھے فون پر اطلاع نہیں ملی۔“ جینی نے کہا۔

”کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ کسی ہفتے میں نہ آئیں۔“

”جی ہاں۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے اور مجھے فون پر کوئی اطلاع بھی نہیں ملتی۔ میرا

مطلب ہے نہ آنے کی اطلاع۔“

”صرف تین گھنٹے کی ڈیوٹی ہوتی ہے آپ کی.....؟“

”جی ہاں۔“ جینی نے جواب دیا۔

پھر وہ خاموش ہو گیا تھا۔ لیکن نہ جانے کیوں جینی کا دل چاہتا تھا کہ وہ بولتا ہی رہے۔ وہ

سوچ رہی تھی یہ کیپٹن حمید ہے..... اس نے اس کے متعلق بہتری کہانیاں سنی تھیں۔

کچھ دیر بعد وہ پھر ہکلائی۔ ”کک..... کیا آپ کیپٹن حمید ہیں۔“

وہ ونڈا سکرین پر نظر جمائے ہوئے مسکرایا تھا۔

”جی ہاں.....!“

”آپ کا بکرا کہاں ہے؟“ جینی نے میساختہ پوچھا۔ پھر اپنی اس حرکت پر شرمندہ سی ہو گئی۔

”دکھ بھری کہانی ہے۔“ حمید نے ٹھنڈی سانس لی اور خاموش ہو گیا۔ لیکن جینی نے اس

کہانی کے متعلق مزید استفسار نہیں کیا۔ وہ سوچ رہی تھی کہ اسے اس سے بے تکلف نہ ہونا چاہئے۔

حمید خود ہی بولا۔ ”ایک دن میرا چیف اسی پر تل گیا تھا کہ کھائے گا تو اسی بکرے کا گوشت۔“

”اور شاید بکرا پالنے کا مقصد بھی یہی تھا۔“ جینی کو کچھ نہ کچھ تو بولنا ہی تھا۔

”جی بہلانے کے لئے کچھ نہ کچھ کرنا ہی پڑتا ہے۔“ حمید بولا۔ ”میں اپنی ملازمت سے

ٹنگ آ گیا ہوں۔ بڑا واہیات محکمہ ہے۔ بس یہ سمجھئے کہ یہ پورا محکمہ ہی ایک بدبودار باس نہ

جسے ہر صورت برداشت کرنا پڑتا ہے۔ پھر جی بہلانے کے لئے بھی تو کچھ چاہئے۔ آپ کے

کیا مشاغل ہیں۔“

”کچھ بھی نہیں..... گھر سے دفتر..... اور دفتر سے گھر۔“

”مجھے افسوس ہے.....!“ حمید نے مغموم لہجے میں کہا۔ ”اگر آپ کسی ڈھنگ کے آدمی

”ب پھر آپ کیا کرتی ہوں گی۔“
 ”خطوط پڑھنا اور ان کے جوابات لکھنا۔ کچھ خطوط ایسے بھی ہوتے ہیں جن کے جوابات
 باس ڈکٹ کرانا ہے۔“

”کاروباری خطوط۔“

”ظاہر ہے؟“ اس نے جواب دیا۔ لیکن لہجے میں تعین نہیں تھا۔

”کام بھی ایسا خاص نہیں۔“ حمید نے پھر سر کو جنبش دی۔

وہ ہنس پڑی اور بولی اب آپ ہی سوچئے۔ ”اگر ہفتے میں تین گھنٹے بھی بدبو برداشت نہ

کر سکو تو مجھ سے زیادہ احمق اور کون ہوگا۔“

”بالکل ٹھیک ہے۔“ حمید نے کہا۔ ”لیکن میں اکثر سوچتا ہوں کہ سیکریٹری قسم کے لوگ

زندگی کی یکسانیت سے کس حد تک بور ہو جاتے ہوں گے۔ وہی خطوط پڑھنا۔ ان کے جوابات

لکھنا..... نفع اور نقصان کی کہانیاں۔ کاروباری باتیں۔“

”آپ کون کر حیرت ہوگی کہ میرے باس کی خط و کتابت بڑی دلچسپ ہوتی ہے۔“

”اچھا..... بھلا کیا دلچسپی ہوتی ہے ان میں۔“

دفعہ جتنی نے محسوس کیا کہ اس سے ایک بڑی غلطی سرزد ہوئی ہے۔ اُسے کب حق پہنچتا

ہے کہ وہ اپنے باس کے معاملات کے متعلق کسی غیر متعلق آدمی سے گفتگو کرے۔

اس نے فوراً ہی سنبھالا لے کر کہا۔ ”مطلب یہ تھا کہ وہ خطوط کے جواب لکھواتے وقت

کافی دلچسپی پیدا کر دیتے ہیں۔ مثلاً کاروباری خطوط کے جوابات کچھ اس طرح لکھواتے ہیں کہ

فلمی مکالموں کا سا لطف آ جاتا ہے۔ انہیں بھی ادبی کارنامہ بنا دینا چاہتے ہیں۔“

”ہوں..... اچھا۔“

پھر حمید چونک کر بولا۔ ”اوہ..... اب ہم غالباً نش ہارر کالونی میں داخل ہو رہے ہیں۔

گاڑی کدھر موڑی جائے۔“

”میرا خیال ہے کہ آپ مجھے یہیں اتار دیجئے۔“ جینی بولی۔ ”میں اُسے مناسب نہیں

کی سیکریٹری ہوتی تو کم از کم ہفتے کی ایک شام کو تو وہ کہیں نہ کہیں لے جاتا آپ کو۔“
 ”میں اسے کب پسند کرتی۔ میری تربیت کسی گھٹیا قسم کے ماحول میں نہیں ہوئی۔“ جینی
 نے کسی قدر ترش لہجے میں کہا۔

”میں نے یونہی کہا تھا..... کوئی بُرا خیال نہیں تھا ذہن میں۔“ حمید بولا۔

وہ بھی خاموش ہو گئی۔ گاڑی کی رفتار سست تھی۔ جینی نے محسوس کیا کہ وہ دیدہ و دانیز
 رفتار تیز نہیں کر رہا۔ ورنہ وہ جن سڑکوں سے گزر رہے تھے ان پر زیادہ بھیڑ نہیں تھی۔ لیکن وہ اس
 سلسلے میں کچھ نہ کہہ سکی۔

”آپ مجھ سے اور کیا پوچھنا چاہتے ہیں۔“ اس نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

”آپ وہاں کتنے عرصہ سے کام کر رہی ہیں۔“

”چھ ماہ سے۔“ جینی نے کہا۔ ”لیکن میں نہیں سمجھ سکتی کہ اس معاملے کا میری ملازمت

سے کیا تعلق ہو سکتا ہے۔“

”کچھ بھی نہیں۔ بس یونہی۔ دراصل آپ کا باس میرے لئے خاصا دلچسپ ثابت ہو سکا

ہے کیونکہ بدبو دار ہونے کے باوجود بھی آپ جیسی نفاست پسند لڑکی اُسے برداشت کرتی ہے۔“

”آپ بھی اُسے برداشت کر سکتے بشرطیکہ آپ کے پاس اتنی شاندار گاڑی نہ ہوئی۔“

آپ ایک چھوٹے سے مکان میں رہتے ہوتے۔ آپ کو زندہ رہنے کے لئے اپنی قوت سے

زیادہ جدوجہد کرنی پڑتی۔ وہ مجھے تین گھنٹوں کا معاوضہ ساڑھے چار سو روپے دیتا ہے۔“

”محض اس لئے دیتا ہے کہ اور کوئی کتنی ہی نہ ہوگی۔ آپ بھی شاید!.....“

”جی نہیں..... میں ساری زندگی اس کے ساتھ گزار سکتی ہوں۔“

”کمال ہے۔“ حمید سر ہلا کر بولا۔

”مجھے اس سے ہمدردی ہے۔“

”ہوں۔“ حمید نے طویل سانس لی۔ ”عورت میں مامتا کا جذبہ اُسے بہت پیچیدہ بنا دیتا ہے۔“

”میں زیادہ گہری باتیں نہیں سمجھ سکتی کیونکہ میری تعلیم میٹرک سے آگے نہیں ہو سکی۔“

سمجھتی کہ اتنی شاندار گاڑی میرے مکان کے سامنے رکے اور میں اس پر سے اترتی دیکھی جاؤں۔
 ”ہاں..... ہاں..... ٹھیک ہے۔“ حمید نے کہا۔

گاڑی سڑک کے کنارے رک گئی۔ جینی اتری۔ ٹھیک اسی وقت قریب ہی سے ایک پک اپ گزری جس کی رفتار تیز نہیں تھی اور ایک کھڑکی میں اسے باس کا چہرہ نظر آیا تھا۔
 پک اپ آگے جا کر رک گئی۔ جینی نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں حمید سے کہا۔ ”باس“
 اور تیزی سے پک اپ کی طرف چل پڑی۔ جیسے ہی قریب پہنچی باس نے کھڑکی سے سر نکال کر کہا۔ ”اوہ..... جینی میں تمہارے گھر جا رہا تھا۔ فون کرنے کا وقت نہیں ملا تھا۔ میں نے کہا تمہیں اطلاع دے دوں کہ میں ایک ماہ کے لئے باہر جا رہا ہوں۔ تم کس کی گاڑی میں تھیں۔“
 ”حکمہ سراغ رسانی کے ایک آفیسر کیپٹن حمید ہیں۔“ جینی ہانپتی ہوئی بولی۔ ”آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔“

”فرمائیے۔“
 ”شاید..... جسے پچھلے سال کسی نے قتل کر دیا تھا۔“
 ”قتل کر دیا تھا..... شاید۔“ وہ اس طرح بولا جیسے یادداشت پر زور دے رہا ہو۔
 ”جی ہاں..... غالباً نارورڈنگ اور کلیئرنگ کا انچارج تھا۔“
 ”اوہ..... ہاں..... یاد آ گیا..... تو آپ اس کے متعلق کیا معلوم کرنا چاہتے ہیں۔ معاف کیجئے گا۔ میں آپ کو اندر آنے کی دعوت نہیں دے سکتا۔ آپ محسوس ہی کر رہے ہوں گے۔ اگر جینی یہ نہ بتاتی کہ آپ حکمہ سراغ رسانی کے ایک آفیسر ہیں تو میں اس ملاقات پر ہرگز تیار نہ ہوتا۔“
 ”اوہ..... کوئی بات نہیں۔ ٹھیک ہے..... ٹھیک ہے۔“ حمید جلدی سے بولا۔ ”اُس آدمی..... میرا مطلب ہے شاید کے متعلق پولیس کچھ بھی نہیں معلوم کر سکی تھی۔ وہ کون تھا۔ اس کے اعزہ کہاں ہیں۔“

”جی ہاں..... اور شاید قاتل کا سراغ بھی نہیں ملا تھا۔“ اس نے تلخ لہجے میں کہا۔
 ”جی ہاں..... یہ درست ہے۔ تفتیش کی بنیاد عموماً وجہ جرم پر رکھی جاتی ہے اور وجہ جرم کا اندازہ اس وقت تک ناممکن ہے جب تک کہ مقتول کے متعلقین کا سراغ نہ ملے۔ کچھ ایسے لوگ نہ ملیں جو مقتول سے واقف رہے ہوں۔“

”ممکن ہے..... لیکن اس سلسلے میں آپ کی کیا مدد کر سکوں گا۔“
 ”جنرل منجر سے معلوم ہوا ہے کہ اس کا تقرر براہ راست آپ نے کیا تھا۔“
 ”جی ہاں..... تقرر میں نے کیا تھا۔“
 ”تو پھر آپ اس کے متعلق کچھ نہ کچھ ضرور جانتے ہوں گے۔“
 ”اتنا عرصہ گزر جانے کے بعد مجھے قطعی نہیں یاد رہ سکا کہ وہ کس شہر کا باشندہ تھا۔ دراصل بنیادی غلطی جنرل منجر ہی سے سرزد ہوئی تھی۔ اس کا باقاعدہ فائل میں نہیں مین ٹین کیا گیا۔“
 ”کیا ایسی فروگزاشتوں پر باز پرس نہیں ہوتی۔“ حمید نے پوچھا۔
 ”یقیناً ہوتی ہے۔ لیکن اس وقت جب غلطی کا علم ہوتا ہے اب آپ کو ہر ملازم کا باقاعدہ

دوسرا کون تھا؟

حمید کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے۔ بدبو سے دماغ پھٹا جا رہا تھا۔ جینی پلٹ کر اس کی گاڑی کے قریب آئی تھی اور بتایا تھا کہ وہ اس کا باس ہی ہے اور حمید سے مل سکے گا۔
 حمید پک اپ کے قریب آیا اور ڈرائیور نے پچھلا دروازہ کھول دیا اور وہ بدبو کا بھپکا..... خدا کی پناہ..... حمید کو ایسا ہی محسوس ہوا تھا جیسے غلاتوں کے انبار کے قریب کھڑا ہوا ہو۔
 سامنے ہی جینی کا باس ابا بھوں والی کرسی پر نیم دراز تھا۔
 حمید پک اپ میں داخل ہونے سے گریز کر رہا تھا۔
 ”فرمائیے جناب..... میں کس کام آ سکتا ہوں۔“ پک اپ کے اندر سے آواز آئی۔
 ”آپ کے ایک ملازم کے متعلق معلومات حاصل کرنی ہیں۔“ حمید بولا۔

”آپ کو غالباً یہ تو یاد ہی ہوگا کہ اس کی سفارش کس نے کی تھی۔“

”جی ہاں یاد ہے..... لیکن اتفاق سے میں اس کی نشاندہی نہیں کر سکوں گا کیونکہ پچھلے دس ماہ سے میں نے اسے نہیں دیکھا۔“

”نام تو بتا ہی سکیں گے۔“

• ”حکیم لاڈلے میاں..... خاندانی حکیم ہیں۔ لیکن مفلسی کی زندگی گزار رہے ہیں۔ ان کا دعویٰ تھا کہ وہ اس بدبو سے مجھے نجات دلا دیں گے۔ کافی عرصہ علاج کرتے رہے لیکن اس مہ کی بھی واقعہ نہ ہوئی۔ بہر حال دوران علاج ہی میں وہ اس آدمی شاہد کو میرے پاس لائے اور سفارش کی تھی۔“

”ان کا پتہ تو معلوم ہی ہوگا آپ کو۔“

”جی ہاں..... وہ رتن پور نامی قصبے سے آیا کرتے تھے۔ یہ قصبہ غالباً اسی ضلع میں ہے۔“

”کیا پولیس نے آپ سے شاہد کے سلسلے میں پوچھ گچھ نہیں کی تھی۔“

”نہیں تو..... میرے پاس کوئی بھی نہیں آیا تھا۔“

”قلم ڈائریکٹر ہنزاد کو آپ کتنے عرصہ سے جانتے ہیں۔“

”قلم ڈائریکٹر ہنزاد.....!“ اس کے لہجے میں حیرت تھی۔ ”مجھے فلموں یا قلم ڈائریکٹر

سے کوئی دلچسپی نہیں۔ ویسے اخبارات میں اس کا واقعہ ضرور پڑھا ہے۔ غالباً وہ میرے دفاتر کے اوپر والے کسی فلیٹ میں رہتا تھا۔“

”اس سے ملنے کا اتفاق تو ہوا ہی ہوگا۔ میرا خیال ہے کہ وہ شاہد سے واقف تھا۔“

”جی ہاں۔“

”نہیں صاحب۔ مجھے کیوں اتفاق ہوتا اس سے ملنے کا۔“

”ممکن ہے۔ آپ نے اسے دیکھا ہو۔“ حید نے کوٹ کی اندرونی جیب میں ہاتھ ڈالے

ہوئے کہا اور ایک تصویر نکال کر اس کی طرف بڑھاتا ہوا بولا۔ ”یہ ہنزاد کی تصویر ہے۔“

اس نے تصویر حید کے ہاتھ سے لے لی۔ اسے دیکھتا رہا۔ حید اسکی آنکھوں میں حیرت کے آثار صاف پڑھ رہا تھا۔

”کمال ہے..... اوہ..... میں کیا عرض کروں۔“ وہ کانپتی ہوئی آواز میں بولا۔

”کیا آپ اسے پہچانتے ہیں۔“

”ارے صاحب..... یہ تو ایسا لگتا ہے جیسے حکیم لاڈلے میاں نے اپنی ڈاڑھی اور مونچھیں

صاف کرا دی ہوں۔ میرے خدا..... کیا نام بتایا تھا آپ نے..... ہنزاد..... ہنزاد..... یہ کیا چکر ہے۔“

”یہ آپ کے دفاتر کے اوپر والے ایک فلیٹ میں رہتا تھا۔“

”اور یہ..... یعنی کہ..... یہ ہنزاد..... مر گیا۔“

”جی ہاں۔“



”بہت دلچسپ۔“ فریدی بڑبڑایا۔ اس کی نظر شروع ہی سے ایش ٹرے پر جمی رہی تھی اور اس کہانی کے دوران میں ایک بار بھی اس نے حید کی طرف نہیں دیکھا تھا۔

”کیا خیال ہے.....“ حید نے پوچھا۔ ”کیا رتن پور کے تھانے سے رابطہ قائم کیا جائے۔“

”ہوں..... کیا ہرج ہے۔ لیکن مجھے یقین نہیں کہ وہاں کسی حکیم لاڈلے میاں کا سراغ مل سکے۔

یاد بھی ممکن ہے کہ اسے دھوکا ہوا ہو۔ ٹھیک ہے..... میرا خیال ہے تم خود ہی ہو آؤ رتن پور تک۔“

رتن پور شہر کی ایک مضافاتی بستی تھی۔ کسی زمانے میں اس کی کوئی الگ حیثیت رہی

ہوگی۔ لیکن اب تو شہر اس بستی کو بھی پیچھے چھوڑتا ہوا بہت آگے بڑھ گیا تھا۔

یہی وجہ تھی کہ اب یہاں کسی حکیم لاڈلے میاں کا سراغ پالینا آسان کام نہیں تھا۔ پھر بھی

”اپنی گاڑی تھانے کی طرف لیتا چلا گیا تھا۔“

”یعنی بہزاد کی۔“

”جی ہاں.....!“ بوڑھے نے سر ہلا کر جواب دیا۔
 ”میں شکر گزار ہوں گا اگر آپ وہ تصویر دکھاسکیں۔“
 ”ضرور ضرور..... میں ابھی حاضر ہوں۔“

بوڑھا انہیں دیوان خانے میں بیٹھا چھوڑ کر اندر چلا گیا۔ یہ کمرہ سلیقے سے آراستہ کیا گیا تھا۔ البتہ فخرچرخ خاصا پرانا معلوم ہوتا تھا۔ ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے وہ سو سال پہلے کے کسی ڈرائنگ روم میں بیٹھے ہوں۔
 کچھ دیر بعد بوڑھا واپس آ گیا اور ایک ایسا فوٹو حمید کی طرف بڑھا دیا جو کہنگی کی وجہ سے زردی مائل ہو گیا تھا۔

حقیقتاً ایسا ہی لگ رہا تھا جیسے وہ ایک ہی آدمی کے دو مختلف پوز ہوں۔
 ”حیرت انگیز۔“ حمید بڑبڑایا۔ پھر بوڑھے سے بولا۔ ”کیا میں اسے کچھ دن اپنے پاس رکھ سکوں گا۔ اگر آپ چاہیں تو اس کی رسید لکھ دوں۔“
 ”نہیں جناب شوق سے لے جائیے..... پولیس کی مدد کرنا میرا فرض ہے۔“
 ”شکریہ۔“ حمید نے کہا۔ چند لمحے خاموش رہا پھر بوڑھے کو مخاطب کر کے بولا۔
 ”آپ نے بہزاد کے سلسلے کی پوری روئیداد اخبارات میں دیکھی ہی ہوگی۔“
 ”جی ہاں۔“
 ”آپ سے کیا رشتہ تھا۔“

بوڑھے نے طویل سانس لی اور بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ”لاڈلے میاں میرے بڑے بھائی تھے۔“

”یقیناً آپ کے لئے یہ حادثہ تکلیف دہ ثابت ہوا ہوگا۔“
 ”جی ہاں..... صرف اسی حد تک کہ بھائی کی آخری نشانی بھی نہ رہی۔ ورنہ اس کی موت پر تو بھائی صاحب ہی گہی کے چراغ جلاتے۔“

تھانے کے انچارج نے مایوسانہ انداز میں سر ہلا کر کہا۔ ”مشکل ہے۔ اگر یہ حکیم صاحب یہاں کے کسی قدیم خاندان سے تعلق رکھتے ہیں تب تو شاید معلوم ہو سکے۔ ورنہ دشواری ہی بڑھ آئے گی۔ رحیم منزل کے رہنے والے حکیموں کے خاندان والے کہلاتے ہیں۔ کیوں نہ ہم دیر سے پوچھ گچھ شروع کر دیں۔“

”یہی مناسب ہے۔“ حمید نے جواب دیا۔

• حمید تھانے کے انچارج کو اپنی ہی گاڑی میں رحیم منزل تک لے گیا۔ ایک معمر آدمی گفتگو ہوئی جو اسی خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔

”حکیم لاڈلے میاں۔“ اس نے حیرت سے کہا۔ ”اگلے انتقال کو تو دس سال ہو چکے ہیں۔“
 حمید نے انچارج کی طرف دیکھا اور انچارج نے ایسا منہ بنایا جیسے بزبان خاموشی کہا ہو۔ ”تو جناب..... اس میں میرا کیا قصور ہے۔“

بات ختم ہو چکی تھی لیکن دفعتاً حمید نے جیب سے ڈائریکٹر بہزاد کی تصویر نکال لی اور اسے معمر آدمی کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ”کیا آپ اس آدمی کو جانتے ہیں۔“
 معمر آدمی تصویر کو لے کر چند لمحے دیکھتا رہا پھر حمید کی طرف دیکھنے لگا۔ اس کی آنکھیں دھندلا گئی تھیں۔

”جی ہاں..... میں اسے جانتا ہوں۔“ اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ”اور اس کے مرنے کی خبر بھی سن چکا ہوں۔ یہ حکیم لاڈلے میاں کا ناخلف لڑکا..... عشرت حسین ہے۔ قلمی ہاں میں بہزاد کے نام سے مشہور تھا۔ کلنگ کا ٹیکہ تھا لاڈلے میاں کے نام پر..... وہ اُسے مان کر چکے تھے۔“

”کیا باپ بیٹے میں کسی قدر مشابہت بھی تھی۔“ حمید نے پوچھا۔
 ”کسی قدر.....!“ اس نے تحیرانہ انداز میں کہا اور خاموش ہو کر حمید کو دیکھتا رہا پھر بولا۔
 ”ارے جناب..... اگر لاڈلے میاں کی جوانی کی تصویر دیکھ لیں آپ تو بے ساختہ کہ انہیں گے کہ ارے یہ تو عشرت حسین ہی کی تصویر ہے۔“

”اس حد تک بُرا آدمی تھا؟“

”جی ہاں..... جو لوگ اسے جانتے تھے ان کے سامنے ہم شرم سے سر نہیں اٹھا سکتے تھے۔
آوارہ عیاش اور باش بھی کچھ تھا۔“

”کیا وہ قتل بھی کر سکتا تھا۔“

”شراب اُم الخبائث اسی لئے کہلاتی ہے کہ اس کے استعمال کرنے والے ہر قسم
خباثت اختیار کر سکتے ہیں۔“

”پھر بھی کیا وہ قتل کی حد تک جاسکتا تھا؟“

”بوڑھا کسی سوچ میں پڑ گیا۔ پھر تھوڑی دیر بعد بولا قتل عموماً غصے اور نفرت ہی کے نثر
ہوتے ہیں۔ لیکن ان تمام برائیوں کے باوجود وہ ہنس مکھ آدمی تھا۔ میں نے اُسے کبھی غصے
نہیں دیکھا اور نہ ہی محسوس کیا کہ اس نے کبھی کسی کے خلاف نفرت کا اظہار کیا ہو۔“

”خوف بھی تو قتل کی وجہ سے ہو سکتا ہے۔“

”جی ہاں..... لیکن میں اس سلسلے میں کیا عرض کر سکتا ہوں۔“

”اچھا وہ کبھی فریب دہی کا مرتکب بھی ہوا تھا؟“

”میرا خیال ہے کہ فریب دہی کی عادت ہی نے اُسے خاندان سے الگ کیا تھا۔ بچپن
میں والدین کو فریب ہی دے کر اپنی بُری عادتوں پر پردہ ڈالتا رہا تھا۔“

”ہوں..... اچھا.....!“ حمید اٹھتا ہوا بولا۔ ”اب اجازت دیجئے۔ کوئی ضرورت پیش آئی
پھر حاضر ہوں گا۔“

وہ پھر تھانے کی طرف روانہ ہو گئے۔ راستے میں انچارج نے پوچھا۔ ”یہ بہنو دادی تھا
جو ”جوگتا“ فلما رہا تھا۔“

”جی ہاں..... وہی تھا؟“

”وہ ہیروئن آشنا بھی تو آج یہاں آئی ہے؟“

”کہاں آئی ہے؟“

”اس کی ایک کوٹھی یہاں بھی تو ہے..... شہر کے بہترے دولت مند آدمیوں نے یہاں
اپنے مکانات بنا رکھے ہیں..... شہر کے ہنگاموں سے پیچھا چھڑا کر یہاں آرام کرنے آتے
رہتے ہیں۔“

”آشا کی کوٹھی کدھر ہے۔“

”ہاسپٹل روڈ پر باغ شہیدان کے سامنے۔“

”ہوں..... اچھا اب میں آپ کو تھانے میں چھوڑ دوں..... تعاون کا بہت بہت شکریہ۔“

”اب آپ شہر واپس جائیں گے۔“

”ابھی کچھ نہیں کہہ سکتا۔“

”اگر قیام کا ارادہ ہو تو..... رات کا کھانا غریب خانے پر۔“

”شکریہ..... لیکن شائد اتنی دیر نہ ٹھہر سکوں۔“

حمید اُسے تھانے پر چھوڑ کر خود ہاسپٹل روڈ کی طرف روانہ ہو گیا۔ باغ شہیدان رتن پور
کی مشہور جگہوں میں سے تھا۔ وہاں تک پہنچنے میں کوئی دشواری حائل نہیں ہوئی۔

پھر اس کے قریب ہی آشا کی کوٹھی تلاش کر لینا بھی مشکل نہ تھا۔ پھانگ کھلا ہوا ملا۔ لہذا
وہ گاڑی اندر لیتا چلا گیا۔

دو چوکیدار گاڑی کی طرف چھپے۔ جیسے ہی وہ رکی انہوں نے آگے بڑھ کر حمید کو سلام کیا۔

”کیا مس آشا گھر پر موجود ہیں۔“

”جی جناب۔“ ایک نے جواب دیا۔

”میرا کارڈ.....!“ حمید نے گاڑی سے اترتے ہوئے اپنا وزیننگ کارڈ اسکی طرف بڑھایا۔
وہ کارڈ لے کر اندر چلا گیا اور حمید باپ میں تمباکو بھرنے لگا۔ پھر اُسے سلگانے بھی نہیں
پایا تھا کہ وہ واپس آ گیا۔

”تشریف لے چلے.....!“ اس نے کہا۔

حمید پورچ کی طرف بڑھا ہی تھا کہ آشا دکھائی دی جو اس کے استقبال کے لئے خود ہی

میں مجھ سے زیادہ کامیاب کومیڈین اور کوئی نہیں ہے۔“
”افسوس ہے کہ مجھے اردو کی فلموں سے کوئی دلچسپی نہیں۔“

”اب آپ پوری انڈسٹری کی توہین کر رہے ہیں۔“

”یہ حکمہ سراغِ رسانی کے ایک آفیسر کیپٹن حمید ہیں۔“ آشا جلدی سے بولی۔

”اوہ..... بڑی خوشی ہوئی۔“ مردنگ نے اٹھ کر بڑی گرم جوشی سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔

”اب ہم کیپٹن حمید صاحب سے چند ضروری باتیں کریں گے۔“ نانی نے جھلائے ہوئے

لہجے میں کہا۔

عالمِ بادہ مردنگ کی موجودگی کو ناپسند کرتی تھی۔

”میں بہت ڈھیٹ ہوں بی بی۔“ مردنگ بولا۔ ”ویسے تمہارا فلسفہ میری سمجھ میں بالکل

نہیں آتا۔ ارے ہر ماں اپنے بچے کو کسی دوسری عورت کے لئے جوان کرتی ہے۔“

”اوہ ہوں.....!“ حمید سر ہلا کر بولا۔ ”یوں کہتے کہ ہر ماں جس بچے کو بیس سال میں آدمی

بناتی ہے اُسے کوئی دوسری عورت بیس منٹ میں اُلو بنا کر رکھ دیتی ہے۔“

”ہمیر..... ہمیر..... آئی سکند یو.....!“ مردنگ ہنس پڑا۔

”یہ کیسی بیہودہ باتیں چھڑ گئیں۔ مردنگ میں سچ کہتی ہوں.....“ نانی کچھ کہتے کہتے رک گئی۔

”مردنگ کو جب تک پٹوگی بچتا رہے گا۔“

”بی بی..... تم ہی چپ رہو۔ یہ سچ کچ ڈھیٹ ہے۔“ آشا بولی۔

”کیتان صاحب آپ نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔“ نانی حمید کی طرف متوجہ ہوئی۔

”میں کیا عرض کروں۔ میرا پورا حکمہ یہی سوچ رہا ہے کہ آخر تین گولیوں میں سے کوئی

کس آشا کے بھی کیوں نہ لگی۔“

”کیا مطلب.....؟“

”مطلب تو ابھی خود ہماری سمجھ میں بھی نہیں آیا۔“

مردنگ حمید کو تحسین آمیز نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ بالکل ایسا ہی محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ

برآمدے تک چلی آئی تھی۔

”ہلو کیپٹن.....!“ وہ ہنس کر لرزشوں سے لبریز آواز میں چیختی۔

”ہلو آشا.....!“

پھر آشا کے عقب میں اس کی نانی کا جھلایا ہوا سا چہرہ ابھرا..... اس کے پیچھے کسی مرد کا
جانا پچھانا سا چہرہ تھا۔

• آشانے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا جسے بڑے پیار سے ہاتھ میں لیا گیا۔ لیکن دوسرا

ہی لمحے میں آشا کی نانی کی کھر کھراتی ہوئی سی آواز سنائی دی۔ ”کتنی بار سمجھایا کہ مردوں سے مصافحہ

ہماری تہذیب سے تعلق نہیں رکھتا..... صرف نمستے ہی کافی ہے۔ دوسرے کیا سوچتے ہوں گے۔“

”میں نے ان کے متعلق ابھی تک اچھا ہی اچھا سوچا ہے؟“ حمید مسکرایا۔

”فرمائیے..... کیسے تکلیف کی۔“ نانی ہی نے پوچھا۔

”آپ نے شاید مجھے پہچانا نہیں۔ میں کل کمار والے کیس کی تفتیش کر رہا ہوں۔“

”میں نے پہچان لیا ہے۔ جنم میں گیا کل کمار بھی اور بہن زاد بھی۔ میں کہتی ہوں اگر کوئی

گولی میری پیکی کے لگتی تو کیا ہوتا۔“

”ارے بی بی۔“ دفعتاً آشا بولی۔ ”کیا ساری باتیں کھڑے ہی کھڑے ہو جائیں گی۔“

”چلے بیٹھے۔“ نانی نے برا سامنہ بنا کر کہا۔ ”لیکن آپ کو میری بات کا جواب دینا

پڑے گا۔“

”دے دوں گا۔“ حمید نے خواہ مخواہ ہنس کر کہا۔

وہ ڈرائنگ روم میں آ بیٹھے اور آشانے حمید سے پوچھا۔ ”کیا مردنگ جی سے آپ کی

واقعیت نہیں ہے۔“

اس نے اس پستہ قد آدمی کی طرف اشارہ کیا جو پہلے سے وہاں موجود تھا۔

”کہیں دیکھا تو ہے؟“ حمید نے اُسے غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

”آپ میری توہین کر رہے ہیں جناب۔“ مردنگ برا سامنہ بنا کر بولا۔ ”پوری انڈسٹری

پھر ”ہمیں ہنر“ کرنا چاہتا ہو۔

دختا حمید نے مردنگ کی طرف مڑ کر پوچھا۔ ”میرا خیال ہے کہ آپ بھی اس کمپ میں تھے“

”جی ہاں میں بھی تھا۔“

”ٹرک پر بھی تھے۔“

”نہیں..... میں کمپ ہی میں رہ گیا تھا۔ کیونکہ اغواء کے سین میں میری ضرورت نہیں تھی۔“

”آپ کے ساتھ اور کون تھا۔“

”پتہ نہیں..... میں بہت زیادہ پی گیا تھا اُس دن۔“

”آپ اپنا بیان باقاعدہ طور پر دے چکے ہیں؟“ حمید نے پوچھا۔

”جی ہاں..... کرنل فریدی صاحب نے میرا بیان لیا تھا اور اس پر میرے دستخط بھی لئے تھے۔“

”کیا آپ کو علم تھا کہ بہزاد خود ٹرک پر نہیں گیا تھا بلکہ اپنے اسٹنٹ کو بھیجا تھا۔“

”جی مجھے بعد میں علم ہوا تھا۔ مطلب یہ کہ حادثے کے بعد جب سب لوگ اپنے بیانات

دے رہے تھے۔“

”کیا خیال ہے..... قاتل آپ ہی لوگوں میں سے کوئی تھا۔“

”ٹرک اور گھوڑوں کے حشر سے تو یہی ثابت ہوتا ہے۔“ مردنگ نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

”اوہ..... کیپٹن.....!“ آشا اٹھلائی۔ ”کیا آپ سچ مچ اسی لئے یہاں آئے ہیں۔“

”میں تو دراصل اس لئے آیا تھا کہ.....!“ حمید نے جملہ پورا نہیں کیا۔ ایسا معلوم ہو رہا

تھا جیسے کسی نئے خیال نے فوری طور پر ذہن اور زبان کا رشتہ منقطع کر دیا ہو۔

وہ سب جواب طلب نظروں سے اُسے دیکھتے رہے۔ لیکن وہ کافی دیر تک کچھ نہ بولا اور

اتنے میں چائے بھی آگئی اور حمید نے مردنگ سے پوچھا۔ ”کیا آپ مجھے بہزاد کے کسی قریبی

دوست کا نام اور پتہ بتا سکیں گے۔“

”اس کے بہترے دوستوں کو جانتا ہوں..... لیکن اس کا اندازہ کبھی نہیں لگا سکا کہ اس

سے کون زیادہ قریب تھا۔“

”میں شکر گزار ہوں گا اگر آپ کچھ نام اور پتے نوٹ کرا سکیں۔“ حمید نے جیب سے

ڈائری اور فاؤنٹین پن نکالا۔

مردنگ نے کئی نام بتائے اور ڈائری میں انہیں درج کرتا رہا۔ پھر ڈائری بند کر کے بولا۔

”ہم لوگوں پر چھلاگ لگانے سے پہلے بہزاد اپنے فلیٹ میں تنہا نہیں تھا۔ کوئی اور بھی تھا

جو اس کے ساتھ شراب پیتا رہا تھا۔“

”اوہ تو کیا اس کی بھی کوئی اہمیت ہے۔“ مردنگ نے پوچھا۔

”کیوں نہیں؟“

”تب تو مجھے ہرگز کچھ نہ بتانا چاہئے۔“ مردنگ نے ہنس کر کہا۔

”کیا مطلب.....؟“

”میں ہی کچھ دیر پہلے اس کے ساتھ شراب پیتا رہا تھا۔ اگر حملے کا وقت اخبارات نے صحیح

لکھا تھا۔“

”کیا آپ نے دستانے پہن رکھے تھے۔“

”جی نہیں۔ میرے پورے داہنے پنجے پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔ انگلیوں پر آپ یہ پھنسیاں

دیکھ رہے ہیں۔ اب تو کسی قدر خشک ہو گئی ہیں۔“

وہ بھی گئی

”اب فرمائیے۔“ حمید نے فریدی سے کہا۔

فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرایا لیکن کچھ بولا نہیں۔

حمید اسے جواب طلب نظروں سے دیکھتا رہا۔

”بتائیے..... بولئے۔“

”کیا بتاؤں؟“

”ایک آدمی ہزار کے پاس موجود تھا وہ اعتراف کرتا ہے۔۔۔!“

”اور یہ بھی کہتا ہے کہ وقوعہ سے کچھ دیر پہلے وہاں سے چلا گیا تھا۔“

”جی ہاں قطعی۔“

”پھر میں کیا بتاؤں۔“

”آپ نے یہی تو کہا تھا نا کہ ہزار کو کسی نے اس پر اکسایا تھا۔“

”اکسایا نہیں تھا۔۔۔۔۔ بلکہ اکسایا ہوگا۔“

”کیا فرق پڑتا ہے۔“

”اکسایا ہوگا میں یقین نہیں ہے۔ بلکہ یہ فقرہ اشتباہ ظاہر کرتا ہے۔“

”میں کہتا ہوں ختم کیجئے اس قصے کو۔ ہزار کی ہسٹری بھی آپ کو بتا چکا ہوں۔ اس نے

لاڈلو کے مالک کو دھوکا دیا تھا۔ اپنے باپ کے میک اپ میں۔۔۔۔۔ اور بدبو کے علاج کے بہانے

اس سے تقریباً دس ہزار اینٹھ لئے تھے۔“

”ٹھیک ہے۔۔۔۔۔ لیکن قصہ کیوں ختم کر دیا جائے۔“

”قاتل مر چکا ہے۔ فائینل رپورٹ لگا کر فائل داخل دفر کیجئے۔ منگر پرنٹ سے زیادہ حتی

شہادت اور کیا ہوگی۔“

”ہوں۔۔۔۔۔ اوں۔۔۔۔۔!“ فریدی خلا میں دیکھتا ہوا سرگرم گوشہ توڑ رہا تھا۔

”آج رات وہ واپس آ رہی ہے۔“ حمید نے کہا۔

”کون۔۔۔۔۔؟“

”آشا۔۔۔۔۔!“

”سوال یہ ہے کہ وہ فائر آتشا کیلئے ہوئے تھے یا کل کار کیلئے یا پھر دونوں کے لئے۔“

”اس کا جواب شاید اب کبھی نہ مل سکے۔۔۔۔۔ کیونکہ قاتل۔۔۔۔۔!“

”قاتل کی بات نہ کرو۔“

”کیوں؟“

”ہزار خود ہی پروڈیوسر بھی تھا۔ اسے نہ بھولو۔ فائینر کوئی اور تھا۔ وہ خود ہی اپنی مٹی نہ

پلید کرتا۔ جانتے ہو اب تک وہ اس فلم پر کتنا صرف کر چکا تھا۔ پورے چار لاکھ۔ کل کار یا آشا

کی موت خود اس کی موت ثابت ہوتی۔“

”آپ کہنا کیا چاہتے ہیں۔“

”یہی کہ اس قتل میں اس کا ہاتھ نہیں تھا اور سنو۔۔۔۔۔ ابھی تک یہ بھی نہیں معلوم ہو سکا کہ

اُسے فائینس کس نے کیا تھا۔ اس سلسلے میں کسی قسم کے کاغذات بھی نہیں مل سکے۔ امر پروڈکشنز

کے کھاتے میں چار لاکھ تھے اور رقم اسی فلم کے سلسلے میں جمع کی گئی تھی۔ نیشنل بینک کی کتابوں

سے معلوم ہوتا ہے کہ سارے اخراجات اسی فلم کے سلسلے میں ہوئے کیونکہ ادائیگیاں بذریعہ

چیک کی گئی تھیں۔ اب امر پروڈکشنز کے حساب میں صرف ساڑھے پندرہ روپے باقی ہیں۔“

”یہ ادائیگیاں کس کے دستخط سے ہوئی تھیں۔“

”خود ہزار کے۔۔۔۔۔ پروڈکشن انچارج کی تحویل میں کبھی کوئی رقم نہیں رہی۔“

”بات سمجھ میں نہیں آتی۔“ حمید نے کہا۔

”کون سی بات سمجھ میں نہیں آتی۔“

”یہی کہ فلم میں روپیہ لگانے والا سامنے نہیں آیا۔“

”اور یہی چیز الجھاوے والی ہے۔“ فریدی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ تھوڑی دیر

خاموش رہا پھر طویل سانس لے کر کہنے لگا۔ ”اُسے ہر حال میں سامنے آنا چاہئے تھا۔“

”لیکن آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ روپیہ کسی اور کا تھا۔ ہو سکتا ہے وہ رقم ہزار ہی کی رہی ہو۔“

”غالبا تمہارا حافظہ کمزور ہو گیا ہے۔ یہ بات مجھے تم ہی سے معلوم ہوئی تھی۔ کیا راج

گنڈھ کے تھانے کی طرف جاتے ہوئے اس نے تمہیں نہیں بتایا تھا کہ وہ تباہ ہو گیا۔ فائینر کو کیا

منہ دکھائے گا۔“

”ہاں کیا تو تھا؟“

”اگر اس کے ذاتی سرمائے سے فلم بن رہی ہوتی تو وہ غلط بیانی سے کیوں کام لیتا۔“

”ارے جناب..... اپنی بے گناہی ثابت کرنے کے لئے۔“

”لیکن یہ چیز راز نہ رہ سکتی۔ تفتیش کے دوران میں ضرور کھل جاتی۔“

”ہوں.....!“ حمید چٹکی بجا کر متشکرانہ انداز میں بولا۔ ”سارا مسئلہ حل ہو گیا۔ اس نے“

سوچا تھا کہ وہ اس حرم کے الزام سے صاف دامن بچالے گا۔ لہذا جرم کر بیٹھا۔ بعد میں اس کے عواقب پر نظر لگتی تو بوکھلا گیا۔ اس نے سوچا کہ وہ جکڑ لیا جائے گا اس بار کسی طرح نہ بچ سکے گا۔ لہذا اس نے خودکشی کی ٹھانی۔ اسی ارادے سے بالکٹی تک آیا..... ہم لوگوں پر نظر پڑی۔

اس نے ہمیں لارڈو کے دفتر میں داخل ہوتے دیکھا۔ پوسٹ مارٹم کی رپورٹ کے مطابق بہن زیادہ نشے میں تھا۔ لہذا مزید بہکا۔ اس نے سوچا تھا کیوں جاؤں۔ محکمہ سراغ رسانی کے اس آفیسر کو بھی کیوں نہ ہم سفر بنایا جائے جس کی صلاحیتوں کے خوف کی بناء پر اس نے خودکشی کا ارادہ کیا ہے۔ یہ بھی ذہن میں رکھئے کہ پچھلے جن کیسوں کے سلسلے میں اس کی انگلیوں کے نشانات ملے تھے ان کی تفتیش آپ کے سپرد نہیں ہوئی تھی اور شاید یہ بھی نہ ہوتی اگر آپ موند واردات پر موجود نہ ہوتے۔ ہاں تو اس نے ایک خنجر سنبھالا۔ پہلے ہی عرض کر چکا ہوں کہ وہ لٹے میں تھا۔ جیسے ہی ہم لارڈو کے آفس سے برآمد ہوئے اس نے آپ پر چھلانگ لگا دی۔“

”ہمیر..... ہمیر۔“ فریدی نے میز تھپتھپائی۔ ”بریو..... او۔“

حمید فخریہ انداز میں اس کی طرف دیکھے جا رہا تھا۔

”تم ٹھیک اسی نتیجے پر پہنچے ہو جس پر اصل مجرم ہمیں پہنچانا چاہتا ہے۔“

”بلج..... بلج..... یعنی کہ یہ جو اتنی لمبی چوڑی تقریر میں نے کر ڈالی کہ اس تھی۔“

”مائی ڈیئر کپٹین حمید تمہارا خیال درست ہے۔“ فریدی نے کہا اور سگار سلگانے لگا۔

”پائپ کا تمباکو ختم ہو گیا ہے..... ورنہ میں بھی بتاتا۔“ حمید کھسیانا ہو کر بولا۔

”تھوڑی دیر خاموشی رہی۔ پھر حمید نے کہا۔ ”آشا کچھ دن میرے ساتھ گزارنا چاہتی ہے۔“

”کیا مطلب.....!“ فریدی چونک پڑا۔

”اس پر بڑی پابندیاں ہیں۔ لیکن وہ ایڈوکیٹر کی شائق ہے..... تمہا کہیں نہیں جاسکتی۔ ثانی

ہر وقت ساتھ رہتی ہے اور دو عدد باڈی گارڈز بھی۔“

”لیکن باڈی گارڈز کیوں حمید صاحب..... خود ثانی ہر وقت سر پر مسلط رہتی ہے۔ باڈی

گارڈز تو وہی لوگ رکھتے ہیں جنہیں کسی طرف سے اپنے خلاف متشددانہ کارروائیوں کا خدشہ

لاحق رہتا ہے۔ ظاہر ہے یہ باڈی گارڈز آشا کو کسی پر عاشق ہونے سے تو باز نہیں رکھ سکتے اور

ثانی کا یہ رویہ بھی محض اسی خدشے کے تحت ہے کہ کہیں وہ کسی اور کی ہو کر اس کے ہاتھوں سے نہ

نکل جائے۔“

”ہاں یہ مسئلہ غور طلب ہے۔“

”معلوم کرو..... لیکن ایسے حالات میں وہ بھلا کچھ دن تمہارے ساتھ کیسے گزار سکے گی۔“

”اس نے ایک بڑی بچکانہ تجویز پیش کی تھی۔“ حمید مسکرایا۔ ”کہہ رہی تھی کہ آپ لوگ تو

میک اپ کے ذریعے صورت بھی بدل سکتے ہیں۔ میرے چہرے پر بھی کیوں نہ وہی آرٹ

آزمایے۔ اس طرح ہم کھلے عام ساتھ رہ سکیں گے۔“

”تجویز تو معقول ہے۔“ فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ ”لیکن وہ ان کی آنکھوں میں

دھول جھونک کر باہر کیسے آئے گی۔“

حمید آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اُسے دیکھنے لگا۔ اسے توقع نہیں تھی کہ فریدی اس مسئلہ پر اتنی

سنجیدگی سے گفتگو کرے گا۔

”کیا سوچنے لگے۔“ فریدی نے پوچھا۔

”کیا آپ اسے پسند کریں گے کہ وہ کچھ دن میرے ساتھ گزارے۔“

”مرضی کے مختار ہو فرزند..... ماشاء اللہ بالغ بھی ہو..... میری پسند یا نا پسندیدگی کا سوال

میں نہیں پیدا ہوتا؟“

”خنیر ماریے گولی۔ یہ آشا میری سمجھ میں نہ آ سکی۔“

”کچھ دن اس کے ساتھ گزارو..... سمجھ میں آ جائے گی۔“

”یہ آپ کہہ رہے ہیں۔“

”میرا وقت نہ برباد کرو۔“ فریدی برا سامنہ بنا کر بولا۔

”سنئے تو..... وہ کمل کمار کو چاہتی تھی۔ اس سے مل بیٹھنے ہی کیلئے اس نے یہ شرط پیش کی کہ وہ اسی صورت میں کنٹریکٹ کر سکے گی جب کمل کمار کو پرتھوی راج کارول دیا جائے۔“

”ہاں تو پھر.....؟“

”لیکن اس کے چہرے سے ذرہ برابر بھی نہیں معلوم ہوتا کہ اسے اس کا غم ہو۔“

”اس دن تو مغموم تھی جب یہ واقعہ پیش آیا تھا۔“

”ہاں اس دن تھی۔“

”اتنا ہی کافی ہے؟“

”کیا مطلب.....؟“

”بھی میرے محکمے کو اس کی فکر نہ ہونی چاہئے۔“

”اوہ شاید آپ یہ سوچ رہے ہیں وہ خود اس قتل کی ذمہ دار ہے۔ اس سازش میں خود بھی شریک تھی؟“

”یہ اسی وقت سوچا جاسکتا ہے جب خود آشا کے بلٹ پروف ہونے پر یقین کر لیا جائے اور یہ ناممکن ہے..... لہذا کوئی اسحق ہی یہ سوچ سکتا ہے کہ وہ بذات خود اس سازش میں شریک تھی یا اسے سازش کا علم تھا۔ تین گولیوں میں سے ایک اس کے بھی لگ سکتی تھی۔“

”پھر آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔“

”بہی کہ اگر تم اس کے ساتھ کچھ دن گزارنا چاہتے ہو تو بھلا مجھے اس پر کیا اعتراض ہو سکتا ہے؟“

”آپ سنجیدگی سے کہہ رہے ہیں۔“

”ہاں بھئی۔“

”خدا آپ کو بھی ایسے رنگین مواقع عطا فرمائے۔“ حمید دعا کے لئے ہاتھ اٹھاتا ہوا بولا

اور خود بھی اٹھ گیا۔



دوسری صبح فریدی ناشتہ کے بعد برآمدے میں بیٹھا اخبار دیکھ رہا تھا کہ کپاؤنڈ میں ایک کار داخل ہوئی اور اس سے آشا کی نانی اتری۔ اس کے ساتھ تین آدمی اور بھی تھے۔ انہیں وہ پہلے بھی دیکھ چکا تھا۔ دونوں اس کے باڈی گارڈز تھے اور تیسرا کو میڈین مردنگ۔

فریدی اٹھ گیا اور ان کی پیشوائی کے لئے پورچ تک خود گیا۔

”فرمائیے..... کیسے تکلیف کی۔“ اس نے آشا کی نانی سے پوچھا۔

”میں بہت پریشان ہوں جناب۔“

”اوہ..... چلئے..... اندر تشریف لے چلئے۔“

وہ انہیں ڈرائنگ روم میں لایا..... باڈی گارڈز برآمدے ہی میں ٹھہر گئے تھے۔

”تشریف رکھئے..... فرمائیے..... میں آپ کے لئے کیا کر سکوں گا۔“

”آشارات سے غائب ہے۔“

”اوہ.....!“

”جی ہاں..... وہ باتھ روم میں گئی تھی۔ باتھ روم کا ایک دروازہ باہر بھی کھلتا ہے..... جو کھلا ہوا ملا۔“

”لئے جلنے والوں کے یہاں بھی دیکھا تھا؟“ فریدی نے پوچھا۔

”جی ہاں..... تمام دیکھ لینے کے بعد یہاں آئے ہیں..... اب آپ ہی مدد فرمائیے۔ میں بہت پریشان ہوں۔“

”پچھلی رات وہ یہاں آئی تھیں۔“ فریدی نے کہا۔

”یہاں آئی تھی۔“ نانی نے حیرت سے دہرایا۔

”جی ہاں اور پھر کیپٹن حمید کے ساتھ کہیں چلی گئی تھیں۔“

”کیپٹن حمید کے ساتھ۔“

”جی ہاں..... ٹھہریے..... میں اُسے بلواتا ہوں۔“ فریدی نے کہا اور میز کے پاس لگے ہوئے پش پر انگلی رکھ دی۔ جلد ہی ایک ملازم اندر آیا۔

”حمید کو بلا لاؤ..... غالباً ابھی سو رہا ہوگا۔ جگا دو۔“

ملازم چلا گیا..... اور وہ سب خاموش بیٹھے رہے۔ دفعتاً مردنگ بولا۔ ”میرا خیال ہے ان دونوں کی جان پہچان اُسی دوران میں ہوئی تھی۔“

”میرا خیال ہے کہ میں ان دونوں کو پہلے بھی کبھی ساتھ دیکھ چکا ہوں؟“ فریدی سر ہلا کر بولا۔ ”کب کی بات ہے؟“ نانی بول پڑی۔

”یہ یاد نہیں.....!“ فریدی نے کہا اور کمرے کی فضا پر بوجھل سا سکوت طاری ہو گیا۔ کچھ دیر بعد فریدی بولا۔ ”یہ باڈی گارڈز تو بہت مہنگے پڑتے ہوں گے۔“

”میں نہیں سمجھی۔“ نانی کے لہجے میں جھلاہٹ تھی۔ ”آخر آپ نے مسلح باڈی گارڈز کیوں رکھ چھوڑے ہیں۔ کیا آپ کو کسی کی طرف

تشدد کا خدشہ ہے۔“

”جی ہاں.....!“ لہجہ پھاڑ کھانے والا تھا۔

”کس کی طرف سے؟ مجھے بتائیے۔ تاکہ آشاکا بازیابی میں مدد ملے۔“

”میں نہیں جانتی..... ایک بار کچھ لوگوں نے اُسے زبردستی اٹھالے جانے کی کوشش کی تھی لیکن ناکام رہے تھے۔ اس کے بعد ہی سے میں نے باڈی گارڈز رکھ لیے تھے۔“

مردنگ اس کی یہ بات حیرت سے آنکھیں پھاڑے سنتا رہا تھا۔ اس کے خاموش ہونے ہی بولا۔ ”غالباً ساری دنیا کے لئے یہ ایک نئی اطلاع ہو۔“

”تو پھر کیا میں اس کا ڈھنڈورہ پیٹ کر بدنامی مول لیتی۔“ نانی مردنگ پر الٹ پڑی۔

”ایسا بھی کیا کہ یہ بات اپنے ہمدردوں پر بھی نہ ظاہر کی گئی؟“ مردنگ نے شکایت آمیز

لہجے میں کہا۔

”یہاں کوئی کسی کا ہمدرد نہیں ہے۔“

”آپ کو باقاعدہ رپورٹ درج کرانی چاہئے تھی۔“ فریدی متفکرانہ انداز میں بولا۔

”جو ہو اسو ہوا..... اب بتائیے میں کیا کروں؟“

”کسی پر شبہ ظاہر کیجئے۔“

”میں یہاں کی انٹرسٹی سے تعلق رکھنے والے ہر فرد پر شبہ ظاہر کر سکتی ہوں۔“

”بے چارے مردنگ کو ایسے موقع پر ضرور فراموش کر دیتا۔“ مردنگ بولا۔

”تم چپ رہو۔ ہر وقت کا بھانڈا پنا اچھا نہیں لگتا۔“ وہ اسی طرح پلٹی تھی جیسے اس کا گلا ہی گھونٹ دے گی۔

ٹھیک اسی وقت وہی ملازم کمرے میں داخل ہوا جو حمید کو بلانے گیا تھا۔

”صاحب نہ وہ کمرے میں ہیں اور نہ کہیں اور..... شریف کہہ رہا تھا وہ رات کو واپس ہی

نہیں آئے تھے۔ چونکہ دار نے بھی یہی بتایا ہے۔“ ملازم نے کہا۔ ایسا معلوم ہوا جیسے کہ نانی کو سکتہ ہو گیا ہو۔ پلٹیں جھپکائے بغیر فضا میں گھورے جارہی تھی۔ پھر شاید مردنگ کے کھکانے پر چوٹی تھی۔

پھر اس نے اپنی رانوں پر ہاتھ مار کر کہا۔ ”اب کس سے فریاد کروں۔ جب قانون کے محافظ ایسی حرکتیں کرنے لگے۔“

”اگر آپ کو حمید ہی پر شبہ ہے تو آپ اس کے خلاف باقاعدہ رپورٹ درج کرائیے..... وہ اکثر راتوں کو گھر سے غائب رہتا ہے..... ضروری نہیں کہ دونوں نے ساری رات ساتھ ہی گزار دی ہو۔ آخر آپ کس بنا پر شبہ کر رہی ہیں۔“

”کیوں نہ کروں..... جب سے یہ واقعہ پیش آیا تھا ہر وقت کوٹھی پر دھرے رہتے تھے۔“

”معاف کیجئے گا یہ بات پوچھنا بھول گیا تھا۔“

”اُسے رتن پور تک پیچھا کیا تھا اس مردوے نے۔ اب تو بس یہی دعا مانگنی پڑے گی کہ اللہ کسی لڑکی کو خوبصورت بنا کر نہ پیدا کرے۔“

”اور اگر خوبصورت بنا کر پیدا بھی کرے تو جوانی میں چپک نکل آئے۔“ مردنگ نے ٹکڑا لگایا۔
”حرام زادے تم چپ رہو۔“

”حرام زادے عموماً چپ ہی رہتے ہیں۔ ورنہ پتہ نہیں کتنی داڑھیاں جھلس جاتیں اور کمرے کے بستروں میں آگ لگ جائے۔ نانی ڈارلنگ صبر کرو۔“

”مسٹر براہ کرم خاموش رہئے..... یہ ایک تکلیف دہ جوشن ہے۔“ فریدی نے خشک لبہ میں کہا۔ ”اگر یہ حرکت کیپٹن حمید بی نے کی ہوگی تو اسے اپنے ہاتھوں ہی سے ہتھکڑیاں پہنا کر گا۔ آپ مطمئن رہئے محترمہ۔“

”آپ پتہ نہیں کب پہنائیں گے ہتھکڑیاں۔ اگر اس عرصہ میں انہوں نے شادی کر لی تو۔“
”تب البتہ میں کچھ نہ کر سکوں گا۔ قانون ہی مجبور ہو جائے گا۔ غالباً مس آشا بالغ ہو چکی ہیں۔“
”ہیئر لائیز دی پوائنٹ۔“ مردنگ ران پر ہاتھ مار کر بولا۔

”لیکن میں چین سے نہیں بیٹھے دوں گی۔“ وہ دہاڑتی ہوئی کھڑی ہو گئی۔

مردنگ بھی اٹھا۔ لیکن فریدی نے بوہیا کی نظر پچا کر اسے ٹھہرنے کا اشارہ کیا۔ اس

بھی سر کو جنبش دی اور بوہیا سے بولا۔ ”اس دوڑ دھوپ نے مجھے بُری طرح تھکا دیا ہے.....“
کچھ دیر یہاں بیٹھوں گا۔ کیوں کرنل صاحب آپ کو تو کوئی اعتراض تو نہ ہوگا۔“

”قطعاً نہیں..... قطعاً نہیں۔“ فریدی نے گہرے خلوص کا مظاہرہ کیا۔

بوہیا مردنگ کو گھورتی ہوئی چلی گئی۔

فریدی اور مردنگ بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر فریدی بولا۔ ”کیا آپ

سکین گے کہ بہزاد کو اس فلم کے سلسلے میں کس نے مالی مدد دی تھی۔“

”میں!“ مردنگ نے حیرت سے کہا۔ ”بھلا میں کیا بتا سکوں گا۔“

”اس سلسلے میں مجھے کوئی ڈاکومنٹ نہیں مل سکا۔“ فریدی متفکرانہ لہجے میں بولا۔

پروڈکشنز کے حساب میں چار لاکھ جمع کئے گئے تھے۔“

”ہو سکتا ہے..... اس کے اپنے روپے ہوں۔“

ستاروں کی موت
”کہیں سے بھی اس کا ثبوت نہیں مل سکا۔ انکم ٹیکس کے ریکارڈ بھی دیکھ لئے گئے ہیں۔“

”در اصل میرے سامنے فائنٹس کے متعلق کبھی کوئی تذکرہ نہیں آیا۔“ مردنگ بولا۔

”قوعے والے دن اس نے ایک عجیب بات بھی بتائی تھی اور ساتھ ہی درخواست کی تھی

کہ اس کا تذکرہ کسی سے نہ کیا جائے۔“

”کیا بات تھی۔“

”آشا نے اپنی نانی کے علم میں لائے بغیر معاہدہ کی یہ شرط رکھی تھی کہ ہیرو کا رول مکمل

کمار کو دیا جائے۔“

”واقعی.....!“ مردنگ نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر کہا۔

”یقیناً کرو..... اس کا تحریری بیان میرے پاس موجود ہے۔“

”کمال ہے..... بہزاد نے کسی کو ہوا بھی نہیں لگنے دی تھی اس کی۔“

”فرض کرو..... بوڑھی عورت کو اس کا علم ہو گیا ہو اور اس نے خود ہی مکمل کمار کے خلاف

ایک سازش مرتب کی ہو۔“

”لیکن خود آشا کے بھی تو گولی لگ سکتی تھی۔“

”تم تین آدمیوں کو ایک گھوڑے پر بٹھا دو..... اور گھوڑے کو سر پٹ دوڑاؤ..... ان میں

سے جس کے لئے بھی کہو گے اسی کو گولی ماروں گا۔ دوسرے کے خراش تک نہ آئے گی اور پھر

ہو سکتا ہے.....!“

فریدی مزید کچھ کہتے کہتے رک گیا۔ ایسا معلوم ہوا جیسے کسی نئے خیال نے ذہن میں سر

اٹھارا ہو۔ مردنگ استفہامیہ انداز میں اس کی طرف دیکھتا رہا۔

”خیر ہٹاؤ..... ہم صرف بہزاد ہی کی باتیں کریں گے۔ جس دن اس نے مجھ پر چھلانگ

لگائی تھی تم اس کے فلیٹ میں موجود تھے۔“

”جی ہاں..... میں نے کیپٹن حمید صاحب سے اس کے متعلق گفتگو بھی کی تھی۔“

”تم دونوں پیتے رہے تھے۔“

”جی ہاں۔“

”وہ کس قسم کی گفتگو کرتا رہا تھا۔“

”میرا خیال ہے کہ رسی گفتگو کے علاوہ اور کسی خاص موضوع پر گفتگو نہیں ہوئی تھی۔ بہت زیادہ پریشان نظر آ رہا تھا۔ اسی طرح جی چھوڑ کر پی رہا تھا جیسے ذہن کو سوچنے بچھڑے قابل ہی نہ رہنے دینا چاہتا ہو۔“

”کل کار کے قتل کا تذکرہ بھی نہیں نکلا تھا۔“

”نہیں جناب۔“

فریدی کچھ دیر خاموش رہا پھر پرتشوش لہجے میں بولا۔ ”اگر وہ واقعی کیپٹن حمید کو اس ساتھ ہی لے گئی ہے تو ہم بڑی دشواریوں میں پڑ جائیں گے۔“

”میں بھی یہی عرض کرنے والا تھا۔ بڑھیا بڑی بارسوخ ہے۔ کئی اعلیٰ عہدے دار آٹا وجہ سے اس کی بڑی عزت کرتے ہیں۔“

”واقعی..... میں بڑی الجھن میں پڑ گیا ہوں۔“ فریدی نے جھنجھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

”اچھا اب اجازت دیجئے۔“ مردگ اٹھتا ہوا بولا۔

فریدی کچھ نہ بولا۔ کسی سوچ میں گم تھا۔ حتیٰ کہ مصافحہ کے لئے پھیلے ہوئے مردگ ہاتھ کی جانب بھی توجہ نہ دی اور وہ کھیانے انداز میں باہر چلا گیا۔

جال

ٹیلی فون کی گھنٹی بج رہی تھی۔ حالانکہ آواز فریدی کے کان تک بھی پہنچی تھی لیکن وہ آواز کرسی پر نیم دراز سگار کے ہلکے ہلکے کش لیتا رہا۔ لان میں بیگل کتیا کے چھوٹے چھوٹے خوش فطیلیاں کر رہے تھے۔

”نون ہے جناب۔“ اندر سے ایک ملازم نے آ کر کہا۔

”کون ہے بھئی۔“ فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ ”ان بچوں کو دیکھنا حوض کی طرف نہ جانے پائیں۔“

لاہیری میں A کر اس نے ریسور اٹھایا۔ ”ہیلو.....!“

”کون صاحب ہیں۔“ دوسری طرف سے آواز آئی۔

”فریدی.....!“

”آداب کرنل صاحب..... میں شہو بول رہا ہوں۔ شہو سیٹھ۔“

”معاف فرمائیے گا۔ میں نے اب بھی نہیں پہچانا۔“

”لارڈو کا پروپرائٹر..... آپ کے ایک ماتحت آفیسر مجھ سے مل چکے ہیں۔“

”اوہ..... اچھا فرمائیے۔“

”وہ مجھ سے فلم ڈائریکٹر..... کیا نام تھا اس کا..... جی وہ اس فلم ڈائریکٹر کے متعلق پوچھ

گچھ کر رہے تھے جس نے شاید آپ لوگوں پر حملہ کیا تھا۔“

”جی ہاں شاید اس نے پوچھ گچھ کی تھی پھر.....!“

”پھر..... یہ کہ میں بڑی الجھن میں پڑ گیا ہوں کرنل صاحب..... انہوں نے مجھے ڈائریکٹر

کی جو تصویر دکھائی تھی وہ حکیم لاڈلے میاں سے مشابہ تھی۔ غالباً انہوں نے آپ کو بتایا ہوگا۔“

”جی ہاں بتایا تھا۔“

”وہ جو شاہد تھا..... حکیم لاڈلے میاں نے جسے میرے پاس ملازم رکھایا تھا۔“

”کون شاہد۔“ فریدی نے ماؤتھ پیس میں کہا۔ ”اوہ اچھا آپ کی فرم کا وہ آدمی جو پچھلے

سال قتل کر دیا گیا تھا۔“

”جی ہاں..... جی ہاں..... کرنل صاحب اس نے لارڈو میں فلم سے متعلق بھی ایک شعبے کا

اضافہ کیا تھا۔“

”لارڈو..... میں فلم کا شعبہ۔“ فریدی کے لہجے میں حیرت تھی۔

”جی ہاں کرنل صاحب..... اسٹراڈا کاروں کی فراہمی کرتا تھا یہ شعبہ۔“

”کیا آپ مجھے بتانا پسند فرمائیں گے۔“

”کیوں نہیں۔ ضرور..... ضرور..... میں کیا عرض کروں آپ کے گھر کی فضا ناپاک کرنا

نہیں چاہتا۔ ورنہ خود ہی حاضر ہوتا۔“

”کوئی بات نہیں..... میں خود ہی ملوں گا کسی دن آپ سے..... ہاں تو وہ حادثہ۔“

پچیس سال کی عمر میں ایڈونچر کا شوق بھی مجھے ساری دنیا میں لئے پھرا تھا۔ برازیل کے جنگلوں میں یہ حادثہ پیش آیا۔ شکار کھیلتے ہوئے ہم کوئی ایسی جگہ تلاش کرتے پھر رہے تھے جہاں شب بری کے لئے چھوٹا دریاں لگائی جا سکیں۔ صبح سے شکار نہیں ملا تھا اور ہم سب بھوکے تھے۔ دفعتاً مجھے ایک درخت نظر آیا جس میں سیب کی شکل کے پھل لگے ہوئے تھے۔ میں نے درخت پر پتھراؤ کیا۔ کچھ پھل گرے..... اور میں وہیں بیٹھ کر انہیں کھانے لگا۔ میرے ساتھی پیچھے رہ گئے تھے۔ ان میں کچھ وہیں کے قدیم باشندے بھی تھے۔ دفعتاً قدیم باشندوں میں سے ایک بوڑھا شور مچاتا ہوا میری طرف دوڑا اور دوسرا پھل جو آدھا کھایا جا چکا تھا میرے ہاتھ سے چھین کر پھینک دیا۔ بڑا غصہ آیا۔ لیکن اتنی دیر میں بقیہ لوگ بھی پہنچ گئے۔ بوڑھا ریڈ انڈین ابھی تک اسی جوش و خروش کے ساتھ کچھ کہے جا رہا تھا۔ دفعتاً وہ آدمی آگے بڑھا جو ہمارے درمیان ترجمے کے فرائض انجام دیتا تھا۔ اس نے کہا کہ یہ پھل زہریلے ہوتے ہیں۔ بوڑھا کہہ رہا ہے کہ اگر تم نے اس سے پہلے بھی کوئی پھل کھایا ہے تو اب خیر نہیں اگر تم زندہ بچ بھی گئے تو بے کار ہو کر رہ جاؤ گے۔ یقیناً میں اس سے پہلے ایک پورا پھل کھا چکا تھا اور دوسرا پھل بھی آدھا تو میرے پیٹ میں جا ہی چکا تھا۔“

”مزہ کیسا تھا پھل کا.....!“ فریدی نے پوچھا۔

”مٹھاس کی قدر تلخی لئے ہوئے تھی۔ لیکن میں بری طرح بھوکا تھا۔ چونکہ اس کی بو بھی سیب کی سی تھی اس لئے میں نے سوچا شاید ادھر سیبوں کا ذائقہ ایسا ہی ہوتا ہو۔ بہر حال ایک کھنڈے بعد مجھے شدید بخار ہو گیا۔ بوڑھا انڈین میرے لئے جنگلی جڑی بوٹیاں تلاش کرتا پھر رہا تھا۔ اس بے چارے سے جتنا بن پڑا کرتا رہا تھا۔ میری حالت بگڑتی ہی رہی۔ بخار تو دوسرے

”آپ کی لائن سے قطعی الگ چیز تھی۔“

”جی ہاں اب میں اسی وجہ سے الجھن میں پڑ گیا ہوں۔“

”میں تو نہیں سمجھ سکتا کہ اس میں الجھن کی کوئی بات ہو؟“ فریدی نے کہا۔

”صاحب میری راتوں کی نیند اڑ گئی ہے اس معاملے پر سوچ بچار کرتے۔ جب مجھے آپ کے ماتحت آفسر نے اس ڈائریکٹر کی تصویر دکھائی تو میں اسی وقت چکر میں پڑ گیا تھا۔ بالکل لاڈ لے میاں..... صرف مونچھ ڈانڈھی کا فرق تھا۔ پھر مجھے خیال آیا کہیں میرے ساتھ کوئی فراڈ نہ کیا گیا ہو..... لہذا میں نے رتن پور میں پوچھ گچھ کرائی اور تب مجھے معلوم ہوا کہ میرے ساتھ سچ فرادہ کیا گیا تھا۔ حکیم لاڈ لے میاں تو دس سال پہلے مر چکے تھے۔ کرنل صاحب یقین کیجئے کہ اس آدمی نے لاڈ لے میاں کا روپ دھار کر مجھے دس بارہ ہزار کی چوٹ دی ہے۔“

”اور آپ اُسے بہزاد کی حیثیت سے نہیں جانتے تھے۔“

”ہرگز نہیں جناب..... ہرگز نہیں۔“

”حالانکہ وہ آپ کے دفاتر کے اوپر ہی والے فلیٹ میں رہتا تھا۔“

”دفاتر سے مجھے ذاتی طور پر یوں بھی کوئی سروکار نہیں رہتا۔ ہفتے میں ایک بار کسی وقت دو تین گھنٹوں کے لئے جاتا ہوں اور اس وقت میرے یا میری سیکریٹری کے علاوہ اور کوئی نہیں ہوتا۔ میں انتہائی بد نصیب آدمی ہوں جناب..... آدمیوں میں بیٹھنے کے قابل نہیں۔“

اس کی آواز گلوگیر ہو گئی تھی اور شاید فریدی نے سسکیاں بھی سنی تھیں۔

”مجھے علم ہے..... مگر یہ ہوا کیسے تھا۔ گندہ دہنی ایک بیماری ہوتی ہے۔ لیکن لاعلاج نہیں۔“

لیکن آپ کا کیس حیرت انگیز ہے۔ اتنی شدید بدبو کہ پورے کمرے میں گونجتی رہے۔“

”اگر منہ سے کپڑا ہٹا دوں تو شاید کوئی میرے قریب ٹھہر بھی نہ سکے۔“

”کیا یہ مرض پیدا ہوا ہے۔“

”جی نہیں..... پچیس سال کی عمر تک میں بالکل ٹھیک تھا۔ بس ایک حادثے کے تحت ابا

”شکر یہ جناب..... تکلیف دہی کی معافی چاہتا ہوں۔“

فریدی نے اس وقت تک ریسیور کریڈل میں نہیں رکھا جب تک کہ دوسری طرف سے منقطع ہونے کی آواز نہیں سنائی دی۔



ایگل بیچ کی ایک خوشگوار رات تھی۔ ساحل کے قریب والا اوپن ایئر ہوٹل گھنا آباد تھا۔ ہیکروٹون سے مدھم سروں میں انگریزی موسیقی منتشر ہو رہی تھی۔ کبھی کبھی کھلتے ہوئے سریلے قہقہے بھی فضا میں گونج اٹھتے۔

کیپٹن حمید نے اپنے سامنے بیٹھی ہوئی لڑکی سے کہا۔ ”کہو کیسی ہے یہ زندگی۔“
”بہت حسین..... بے حد شاندار..... میں اب تک اس کے لئے ترستی رہی تھی..... تم بہت اچھے ہو کیپٹن۔“

”کیا تمہیں یقین ہے کہ تمہاری نانی بھی اس میک اپ میں تمہیں نہ پہچان سکے گی۔“
”یہ تمہارے چیف بھی کمال کے آدمی ہیں۔ میرا دعویٰ ہے کہ نانی بھی مجھے نہ پہچان سکیں گی۔“
”اور وہ مردنگ بھی..... جو کسی سعادت مند کتے کی طرح تمہارے پیچھے لگا رہتا ہے۔“
”ارے وہ مسخرہ..... جی بہل جاتا ہے۔ ہاں وہ بھی نہ پہچان سکے گا۔“
”وہ تو ٹھیک ہے..... لیکن مجھے اطلاع ملی ہے کہ تمہاری نانی نے میرے خلاف رپورٹ درج کرا دی ہے۔“

”تمہارے خلاف.....!“

”رپورٹ تمہاری گمشدگی کی لکھوائی ہے اور شبہ مجھ پر ظاہر کیا ہے۔“
”تم پر کیوں.....؟“

دن کم ہو گیا تھا لیکن پورا جسم مواد بھرے پھوڑے کی طرح دکھتا تھا اور پھر میرا جسم سڑنے لگا کسی نہ کسی طرح ہم کو کیٹو پہنچے تھے اور مجھے ایک ہسپتال میں داخل کر دیا گیا تھا۔ سارے جم سے ایسی بدبو پھوٹی تھی کہ مجھ سے سوگڑ کے فاصلے سے بھی گذرنا دشوار محسوس کیا جاتا تھا۔ علان ہوتا رہا تھا۔ پر ہم کو کیٹو سے شمالی امریکہ پہنچے جہاں نیو یارک کے ایک بہت بڑے ہسپتال میں مجھے داخل کر دیا گیا۔ دو سال تک میں وہیں تھا۔ بمشکل تمام وہاں کے ڈاکٹر میرے مرض پر قابو پاسکے تھے۔ یعنی جسم کا سڑنا راک گیا تھا۔ تقریباً تین سال لگ گئے اور میں چلنے پھرنے کے قابل ہوا لیکن پھر کچھ دنوں کے بعد ایک ٹانگ بالکل بے کار ہو گئی اور میرے ہونٹ ایسے ہی ہو گئے جیسے سُر کی تھوٹھی ہوتی ہے۔ ہونٹوں کا درم آج بھی قائم ہے اور وہ گوشت کے ٹوٹنے سے معلوم ہوتے ہیں..... سرخ..... بالکل ایسا ہی لگتا ہے جیسے گوشت پر سے ابھی ابھی کھال اتار دی گئی ہو۔ یہ تو خیر کوئی ایسی بات نہیں۔ لیکن یہ بدبو..... میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کس طرح اپنے جذبات کا اظہار کروں۔ دنیا کی کوئی عورت مجھے ہمیشہ کے لئے قبول کرنے پر تیار نہیں ہو سکتی اور اپنی اس کمزوری کی بناء پر میں شاید کے کہنے میں آ گیا تھا۔ یعنی یہ اسٹرا لڑکیوں کا فلی کا رو بار۔ اس نے مجھ سے کہا تھا کہ اس طرح میری زندگی بھی جنسی آسودگی پاسکے گی۔ کاش میں اس کے چکر میں نہ آیا ہوتا۔ اب سوچتا ہوں کہیں یہ فلم ڈائریکٹر..... یعنی کہ حکیم لاڈلے میاں کا رول الا کرنے والا کوئی ایسی حرکت نہ کر گیا ہو جس سے میرے مستقبل پر بُرا اثر پڑے۔“

فریدی نے طویل سانس لی اور بولا۔ ”یہ تو ثابت ہو چکا ہے کہ ہنزا لاڈلے میاں کا رول الا تھا اور اس سے بڑی حد تک مشابہہ بھی تھا۔ شاید کو اسی نے ملازمت دلوائی تھی اور پھر شاید قتل کر دیا گیا تھا۔ یقیناً یہ چیز کسی حد تک آپ کے لئے الجھن کا باعث بن سکتی ہے۔“
”پھر میں کیا کروں..... کیا کروں۔ ابھی تک اس بدبو نے کسی کو منہ دکھانے کے قابل

نہیں رہنے دیا تھا۔ کیا اب لوگ میرا نام بھی سننا پسند نہ کریں گے۔“

”آپ فکر نہ کیجئے۔“ فریدی نے ہمدردانہ لہجے میں کہا۔ ”ویسے میں ابھی کسی خاص نیچے نہیں پہنچ سکا لیکن آپ کے لئے پوری کوشش کروں گا۔“

”فلم اناروں کی منطق بھی میری سمجھ میں نہیں آتی۔“

”ہماری کیسی منطق۔“

”جب تمہارا نام شیریں بانو تھا تو تم نے آشاکوں اختیار کیا؟“

”اوہ.....!“ سنجیدہ ہو کر بولی۔ ”تم سمجھتے نہیں..... فنکار کا کوئی مذہب نہیں ہوتا۔ فن ہی

اس کا مذہب ہے۔ وہ نہ ہندو ہوتا ہے اور نہ مسلمان۔“

”یہی منطق تو سمجھ میں نہیں آتی کہ تم دراصل مسلمان ہو اور لوگ تمہیں ہندو سمجھتے ہیں۔“

”کمل کمار بھی مسلمان ہی تھا۔ غالباً پیر بخش نام تھا۔ لیکن ہندو سمجھا جاتا تھا۔ تو کہنے کا

مطلب یہ کہ جب فنکار کا کوئی مذہب ہی نہیں ہوتا تو وہ ایسے نام کیوں نہیں اختیار کرتا کہ نام

سے اس کے مذہب کا پتہ ہی نہ چل سکے۔ اس سلسلے میں مردنگ کا نام مجھے پسند ہے اسی طرح

تمہیں چاہئے تھا کہ اپنا نام سارنگی، ڈگڈگی یا ڈھولک رکھتیں اور کمل کمار تانپورہ، مجر یا ڈمرو جیسا

کوئی نام اختیار کرتا۔“

”تم سے کون بحث کرے..... بال کی کھال نکالتے ہو۔“

”تم بہت خوبصورت ہو۔“

”ہاں ایسی باتیں کرو۔“ وہ ہنس پڑی۔ پھر بولی۔ ”تمہارے چیف بہت شاندار ہیں۔

لیکن میں نے انہیں ہنسنے یا مسکراتے نہیں دیکھا۔“

”اچھا ہی ہوا۔ ورنہ تم میرے لئے کوئی نام تجویز کرنے کی فکر میں پڑ جاتیں۔“

”کچا بتاؤ..... وہ نجی زندگی میں کیسے آدمی ہیں۔“

”ارے تم میرے متعلق مجھ سے کیوں نہیں پوچھتیں۔“

”تمہیں تو کئی دنوں سے دیکھ رہی ہوں۔“

حمیدہ کچھ نہ بولا۔ اس کی آنکھوں میں اداسی تیرنے لگی تھی۔

”ارے ادھر دیکھو..... تم چپ کیوں ہو گئے۔ اب بتاؤ کیا کرنا چاہئے۔ میں گھر واپس

نہیں جانا چاہتی۔“

”تمہارے ساتھ میں بھی غائب ہوں نا.....!“

”نانی کو تمہارے غائب ہونے کا کیا علم۔“

”میرے چیف نے بتا دیا ہوگا۔“

”میرے خدا..... انہیں نے تو میک اپ کیا تھا میرا۔“

”تم سمجھی نہیں۔ میں نے ان سے یہ کب کہا تھا کہ میں بھی تمہارے ساتھ ہی جا

ہوں۔ اگر یہ کہہ دیتا تو وہ اس پر کبھی تیار نہ ہوتے۔ میں نے تو یہ کہا تھا کہ آشا صاحبہ اپنی زندگی

کی یکسایت سے بور ہو گئی ہیں۔ کچھ دن تنہا گزارنا چاہتی ہیں مگر نانی کی وجہ سے یہ ناممکن ہے

لہذا انہوں نے میک اپ کر دیا..... اور مجھ سے کہا کہ تمہیں کچھ دور تک چھوڑ آؤں۔“

”پھر اب کیا ہوگا۔“

”کچھ بھی نہیں..... میں اس میک اپ میں تھوڑا سا اضافہ کر دوں گا۔“

”کیسا اضافہ۔“

”تمہارے مونچھیں لگا کر ٹکٹ لگا دینے کے امکانات پر غور کروں گا۔“

”نہیں..... مذاق نہ اڑاؤ..... سنجیدگی سے سوچو..... میں ابھی گھر نہیں واپس

چاہتی..... کچ کہتی ہوں۔ یہ دو چار دن ایسے گزرے ہیں جیسے میں نے دوسرا جنم لیا ہو۔“

”اور مجھے اپنے پچھلے جنم بھی یاد آ گئے ہیں۔“

”کیوں.....؟“

”برداشت کی بھی حد ہوتی ہے..... ارے تم ہر وقت مسکراتی رہتی ہو۔ بسے بغیر کوئی بات

ہی نہیں کر سکتیں۔“

”تو یہ ایسی بُری بات ہے۔“

”بُری سے بدتر..... میری دانست میں وہ عورت ہی نہیں ہے جو دن میں دو چار ناک

بھوں نہ چڑھائے۔ ہر اس آدمی کو کاٹنے نہ دوڑے جو اس میں دلچسپی لیتا ہو۔“

”تمہاری منطق میری سمجھ میں نہیں آتی۔“

کی طرف۔“

”بی بی بھی ہیں اور میرے باڈی گارڈز بھی..... اے لو..... وہ ادھر ہی آرہے ہیں۔“
”اچھی بات ہے..... تم خاموش ہی بیٹھنا..... اگر کچھ پوچھیں بھی تو جواب نہ دینا۔ میں

کہہ دوں گا ایرانی ہیں۔ اردو نہیں سمجھتیں۔“

واقعی وہ لوگ سیدھے اسی میز کی طرف آئے۔ ثانی حمید کو نفرت آمیز نظروں سے گھور رہی تھی۔

”آشا کہاں ہے۔“ اس نے زہریلے لہجے میں پوچھا۔

”میں کیا جانوں؟“ حمید نے حیرت ظاہر کی۔

”وہ کئی دنوں سے غائب ہے اور آخری بار تمہارے ساتھ دیکھی گئی تھی۔“

”اوہ..... وہ..... کئی دن پہلے کی بات ہے۔ بیٹھے بیٹھے۔“

”وہ کہاں ہے؟“

”بھئی میں کیا جانوں..... ایک رات وہ میرے پاس آئی تھی اور پھر میں اسے کچھ دور

تک رخصت کرنے گیا تھا۔ اپنی گاڑی سے نہیں آئی تھی۔ اس لئے ٹیکسی کی تلاش میں، میں بھی

کچھ دور تک اس کے ساتھ چلا گیا تھا؟“

”کنٹرل فریدی صاحب کا کہنا ہے کہ تم اس رات واپس ہی نہیں ہوئے تھے اور اب تک

گھر نہیں پہنچے۔“

”انہیں شاید اس کا علم نہ ہو کہ میں چھٹی پر ہوں اور جہاں چاہوں اپنی چھٹیاں گزار سکتا ہوں۔“

”بھئی بیکار بات ہے.....“ مردنگ بول پڑا۔ ”چلتے چلتے تھک گئے۔ اب کچھ دیر یہیں

بیٹھ بی بی۔“

”ہاں بیٹھیں بیٹھوں گی۔ اس وقت تک بیٹھوں گی جب تک لڑکی کا پتہ نہ چل جائے۔“ وہ

خالی کرسی پر بیٹھ گئی۔ مردنگ نے چوتھی کرسی سنبھالی اور باڈی گارڈ کو ہاتھ کے اشارے سے کوئی

”سری میز تلاش کرنے کو کہا۔“

”آپ کی تعریف کپتان صاحب.....“ مردنگ نے آشا کو تحسین آمیز نظروں سے دیکھتے

”کب تک.....!“

”جب تک میرا جی چاہے۔“

”تم اپنی نانی سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتی ہو۔“

”یہی بات ہے۔ لیکن خود میں اتنی ہمت نہیں پاتی کہ اس سلسلے میں کوئی قانونی کارروائی

کر سکوں۔“

”سنو.....!“ حمید سنجیدگی سے بولا۔ ”اگر تم دو چار دن اور غائب رہیں تو سارے ملک

میں تہلکہ مچ جائے گا کیونکہ تم کوئی گم نام شخصیت نہیں ہو۔“

”سوچو تو کتنی سنسنی خیز خبر ہے۔“

”اے محترمہ..... کیا تم مجھے جہنم ہی میں پہنچا دینے کا ارادہ رکھتی ہو۔“

”اوہ تمہارا کوئی کیا بگاڑے گا۔ میں بالغ ہوں..... عدالت میں کہہ دوں گی کہ اپنی فحش

سے تمہارے ساتھ گئی تھی اور تمہیں اس پر مجبور کیا تھا۔“

”اور اس کے بعد پھر وہی ٹائیں ٹائیں فٹ.....!“ حمید نے ہٹھنڈی سانس لی۔

”کیوں؟ پھر تم کیا چاہتے ہو۔“ آشا نے سنجیدگی سے پوچھا۔

”تم بتاؤ؟ کیا چاہتا ہوں!“

”وہی جو ملک کے لاکھوں آدمی چاہتے ہیں۔“ آشا ہنس پڑی۔

”کیا چاہتے ہیں..... میں نہیں جانتا..... کیونکہ میرا شمار لاکھوں میں نہیں بلکہ کروڑوں میں

ہوتا ہے۔“

”شادی..... مجھ سے شادی کرنا چاہتے ہیں۔“

”ہو کیسی باتیں کرتی ہو۔“ حمید کسی کنواری لڑکی کی طرح لپا کر بولا۔

”ہے..... ہے.....!“ وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ ”تمہاری یہی چیزیں تو قیامت ہیں۔“

”میں چلا جاؤں گا ہاں..... نہیں تو۔“

دھنسا آشا چونک پڑی اور آگے جھک کر آہستہ سے بولی۔ ”مردنگ..... تم مت دیکھو۔“

”مس رضیہ اسفندیاری..... ایرانی ہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ اردو نہیں سمجھتیں ورنہ تم کی گفتگو کی بناء پر مجھے کوئی لفنگا سمجھ کر اٹھ جاتیں۔“

”عیش ہے آپ لوگوں کے بھی۔“ مردنگ نے ٹھنڈی سانس لی۔ حمید نے محسوس کیا وہ آشا کو شہے کی نظروں سے دیکھ رہا ہے۔

”کیا پیئیں گے آپ لوگ۔“ حمید نے پوچھا۔

”اب تو تم مجھے زہر ہی پلا دو۔“ بڑھیا روہانسی ہو کر بولی۔ ”جب قانون کے محافظ لیرے بن جائیں تو کوئی کیا کرے۔ کس سے فریاد کرے۔“

”محترمہ آپ غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔“

”خود تمہارے چیف کو تم پر شبہ ہے۔ انہوں نے مجھ سے کہا تھا کہ کچھ تعجب نہیں کیونکہ میں نے ہی اس پر ڈورے ڈالے ہوں۔ عورتوں کے معاملے میں اس پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔“

”وہ بھی غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ ایک اداکارہ اور عام عورتوں میں بڑا فرق ہوتا ہے اداکاراؤں کے معاملے میں مجھ پر اعتماد کیا جاسکتا ہے۔ کیوں مسٹر مردنگ۔“

”اب میں کیا بتاؤں کپتان صاحب۔ میں نے تو انہیں بہت سمجھایا ہے۔“ مردنگ ٹھنڈی سانس لی۔

”میں کچھ نہیں جانتی۔ آشا مجھے واپس ملنی چاہئے۔“

”کیا وہ پہلے بھی کبھی اس طرح غائب ہو چکی ہے۔“

”کبھی نہیں..... کبھی نہیں۔ اگر وہ تم سے ملنے تمہارے گھر گئی تھی تو میں بہت کچھ سوچنے

مجبور ہوں کیونکہ اس سے پہلے وہ خود کسی کے گھر نہیں گئی۔“

”ہو سکتا ہے اس بار چلی ہی گئی ہو۔ میرا مطلب ہے میرے علاوہ کسی اور کے بھی گھر گئی ہو۔“

”بی بی اب ختم کرو بھی یہ قصہ۔“ مردنگ بولا۔ ”مجھے پیاس لگی ہے۔“



بڑی مشکل سے انہوں نے پیچھا چھوڑا تھا اور حمید بڑھیا کو کسی طرح بھی باور نہیں کرا سکا تھا کہ وہ آشا کا پتہ نہیں جانتا۔ چلتے چلتے بلبلا کر کہہ گئی تھی کہ وہ اسے چین سے نہ بیٹھنے دے گی۔ آشا بعد میں خوب ہنسی تھی اور کہا تھا کہ اس کی نانی کی بے بسی اسے بہت بھلی لگی تھی۔ اس کو اس سے بڑا سکون ملا تھا۔

پھر وہ ایگل بیچ والے ہٹ میں واپس آ گئے تھے۔ ویسے حمید محسوس کر رہا تھا کہ اس کا نقاب کیا جا رہا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ اس نے اس سلسلے میں چھان بین کرنے کی زحمت گوارا نہ کی ہو۔

حمید لباس تبدیل کرنے جا رہا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی۔ اس نے ریسور اٹھا لیا۔ ”کیپٹن حمید۔“

”ٹھیک ہے۔“ دوسری طرف سے آواز آئی اور سلسلہ منقطع ہو گیا۔

حمید نے طویل سانس لی اور ریسور رکھ دیا۔ آشا دوسرے کمرے میں تھی۔ دونوں الگ الگ کمروں میں سوتے تھے۔

حمید کرسی پر بیٹھ کر پائپ میں تبا کو بھرنے لگا۔ کھڑکی سے خوشگوار ساحلی ہوا کے جھونکے آرہے تھے۔ دفعتاً آشا کمرے میں داخل ہوئی۔

”سنو.....! اس نے کہا۔“ آج اگر ہم دونوں اسی کمرے میں سوئیں تو کیا ہرج ہے۔“

”کیوں؟ کیا بات ہے۔“

”مجھے ڈر لگ رہا ہے۔ مردنگ مجھے شہے کی نظر سے دیکھ رہا تھا۔ شاید اس نے پہچان لیا ہے۔“

”اوہ..... تو تم مردنگ سے ڈرتی ہو۔“

”ارے اس مسخرے سے کیا ڈرو گی۔ لیکن وہ ہے بڑا سٹور..... بی بی کو غصہ دلا سکتا ہے۔“

”اب بتائی دوں۔ واقعی وہ اس سے نفرت کرتی ہیں کیونکہ وہ انہیں چڑھاتا رہتا ہے۔ لیکن پھر بھی وہ اس سے یہ نہیں کہہ سکتیں وہ ہمارے یہاں نہ آیا کرے۔“

روشنی اتنی دھندلی بھی نہیں تھی کہ وہ حمید کو نظر نہ آتا۔ سر سے پیر تک سیاہ پوش چہرے پر آنکھوں کی جگہ صرف دوسرا رخ نظر آ رہے تھے۔

وہ اتنی آہستگی سے کمرے میں داخل ہوا تھا کہ ہلکی سی آواز بھی نہیں ہوئی۔ اب حمید نے اس حد تک آنکھیں بند کر لی تھیں کہ پلکوں میں خفیف سے درے رہیں۔ اس نے دیکھا کہ سیاہ پوش کچھ دیر گم سم کھڑے رہنے کے بعد آشا کی مسہری کی طرف بڑھ رہا ہے۔

وہ آشا کے قریب پہنچ کر جھکا۔ چند لمحوں کے بعد پھر سیدھا ہو گیا۔ اب وہ حمید کی طرف مڑ رہا تھا۔ اچانک حمید کی نظر اس کے ہاتھ پر پڑی۔ اس نے جیب سے کوئی چیز نکالی تھی اور پھر اسے دونوں ہاتھوں سے سنبھالنے لگا تھا۔

ٹھیک اسی وقت کھڑکی کی طرف سے آواز آئی۔ ”خبردار اپنی جگہ سے جنبش بھی نہ کرنا۔ میں تمہیں کور کئے ہوئے ہوں۔“

سیاہ پوش اچھل پڑا اور حمید نے کسی ہلکی چیز کے گرنے کی آواز سنی۔ غالباً وہی چیز تھی جو سیاہ پوش نے اپنی جیب سے نکالی تھی۔

”اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ۔“ حمید فریدی کی ہدایت کے مطابق دوسرے بلب کا سوئچ آن کرنے کے لئے اٹھ رہا تھا۔ اس کے ذہن پر غنودگی کا بھی کسی قدر اثر پہلے ہی سے تھا اس لئے جلدی میں خود اس کی ٹانگیں ایک دوسرے سے الجھ گئیں اور وہ بے تحاشہ سیاہ پوش پر آ رہا۔ دونوں گرے اور سیاہ پوش اس سے اس بُری طرح چٹ گیا کہ جنبش کرنے کی بھی مہلت نہ دی۔ حمید سوچ رہا تھا کہ اب فریدی فائر بھی نہ کر سکے گا۔

ایک لمحوں کے لئے سکوت طاری ہو گیا پھر آشا چیخنے لگی تھی۔ ”ارے کون ہے..... یہاں کیا ہو رہا ہے۔“

پھر شاید اسی نے دوسرا بلب بھی روشن کیا تھا۔ فریدی آگے بڑھا اور سیاہ پوش کی گردن پکڑ لی۔ ”چھوڑ دو.....!“ فریدی غرایا۔ ”چپ چاپ ہٹ آؤ ورنہ گلا گھونٹ دوں گا۔“

نقاب پوش کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی اور وہ کسی مردہ چوہے کی طرح اوپر اٹھتا چلا گیا۔ اس کی

”کیا مجبوری ہے؟“

”بی بی کو کین کی عادی ہیں..... اور وہ مردگ ہی مہیا کرتا ہے۔“

”حیرت ہے..... میں تو فلم آرٹسٹوں کو بہت معصوم سمجھتا تھا۔“

”ہائیں..... ارے اپنے یہاں تو ایک سے ایک بڑھ کر چری پڑا ہے۔“

”تم بھی پیتی ہو۔“

”لاحول ولا قوۃ..... میرا بس چلے تو بی بی کو کان پکڑ کر گھر سے باہر نکال دوں۔ ہاں پھر

ان باتوں کو میں یہیں سوؤں گی۔“

”چلو..... مان لیا..... لیکن اب تم یہ میک اپ بھی ختم کر دو۔ میں تمہیں دیکھنا چاہتا ہوں۔“

”اور اگر کسی اور نے بھی دیکھ لیا تو۔“

”شش..... یہاں کون آئے گا۔ کسی کو کیا پتہ کہ میں یہاں ہوں۔“

کچھ دیر بعد آشا اپنے اصلی روپ میں نظر آئی۔ حمید کہہ رہا تھا۔ ”فکرمات کرو۔ کل

پھر وہی میک اپ کر دیا جائے گا۔“



وہ بے خبر سو رہے تھے۔ لیکن حمید کی آنکھوں میں نیند کو سوں دور تھی۔ سینے تک چادر

چٹ پڑا تھا۔ کبھی کبھی سیاہی مائل ہلکی نیلی روشنی میں آنکھیں پھانسنے لگتا۔ ساحل کی سمت

کھڑکی کھلی ہوئی تھی۔ ٹھنڈی ہوا کے جھوکے اس کے گال سہلاتے گزرتے رہے۔

دفعتاً اسے ایسے محسوس ہوا جیسے اس نے کسی قسم کی آہٹ سنی ہو۔ لیکن آنکھیں کھلی ہوئی

کھڑکی پر لگی تھیں۔ کھڑکی میں سلاخیں نہیں تھیں..... دفعتاً نیم تاریک آسمان کے پیش نظر

ایک سایہ ابھرا اور پھر وہی تاریک سایہ پورے دھڑسمیت کھڑکی میں داخل ہو گیا۔

گردن اب بھی فریدی کی گرفت میں تھی۔

”یہ کون ہے..... یہ کون ہے.....!“ آشنا چیخیں۔

دھننا نقاب پوش کسی مچھلی کی طرح پھڑکا اور فریدی کے ہاتھ سے اس کی گردن اس طرح کھینچا جتنا وہ ڈر ہی نہ سکا۔ میں جتنی دیر میں باہر قابلاً اُدکھ ہی رہے تھے۔ ریش کے منہ پر گھونسہ جڑ گیا اور امر گئی جیسے وہ سچ کوچ کوچ لیس دار مچھلی ہو۔ پھر ایسے محسوس ہوا جیسے وہ اڑتا ہوا کھڑکی سے گذر گیا ہو۔ پھر گری تھی یہاں اس کے ہاتھ سے۔ ”فریدی خاموش ہو کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔ پھر باہر سے کراہ کی آواز آئی۔ کوئی گرا..... اور ایک آواز سنائے میں گونجی۔“ پکڑو پکڑو۔“ سروں کے نیچے جھانکنے کے لئے جھکا۔

”اوہ.....!“ اس کے منہ سے آسودگی ظاہر کرنے والی آواز نکلی۔ حمید بھی جھکا۔ اس کی فریدی بھی جھپٹ کر کھڑکی سے گذر گیا تھا۔

آشائری طرح کانپ رہی تھی۔ حمید نے اس پر اپنی سی نظر ڈالی اور خود بھی کھڑکی کی طرف جھپٹا۔

”نہیں..... نہیں۔“ آشنا نے بوکھلائے ہوئے انداز میں اس کی کمر پکڑتے ہوئے کہا۔

”مجھے تہانہ چھوڑو..... یہ کیا ہو رہا تھا۔ وہ کون تھا۔ وہ کون تھا۔“ حمید طویل سانس لے کر مڑا اور اسکے ہاتھ اپنی کمر پر سے ہٹاتا ہوا بولا ”کیا تم نے دیکھا نہیں کہ اس کا چہرہ نقاب میں چھپا ہوا تھا“

”لیکن کیوں؟ وہ یہاں کیوں آیا تھا۔“

”شاید چوری کرنے۔“

”کیا لے گیا۔“

”کنٹرل فریدی اور کیپٹن حمید کی عزت۔“ حمید نے جھلا کر کہا۔

وہ تھوک نکل کر رہ گئی اور سبھی سبھی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھتی رہی۔ تھوڑی دیر بعد

فریدی واپس آ گیا۔ اس کے چہرے پر جھنجھلاہٹ کے آثار تھے۔ حمید نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

”تم بالکل گدھے ہو۔ جب میں نے اسے کور کر رکھا تھا تو لپٹ پڑنے کی کیا ضرورت تھی۔“

”میں سمجھا تھا شاید کوئی پردہ نشین خاتون ہیں۔“ حمید نے جل کر جواب دیا۔

”بکومت۔“

”جناب عالی..... میں لڑکھڑا کر اس پر گرا تھا..... اتنا احمق نہیں ہوں۔ جلدی میں

”امر سنگھ اور ریش بھی باہر قابلاً اُدکھ ہی رہے تھے۔ ریش کے منہ پر گھونسہ جڑ گیا اور امر

جتنی دیر میں باہر پہنچا اس کا دور دور تک پتہ نہیں تھا۔ اوہ..... کوئی سروں کے نیچے جھانکنے کے لئے جھکا۔

”اوہ.....!“ اس کے منہ سے آسودگی ظاہر کرنے والی آواز نکلی۔ حمید بھی جھکا۔ اس کی

فریدی بھی جھپٹ کر کھڑکی سے گذر گیا تھا۔

”نہیں..... نہیں۔“ آشنا نے بوکھلائے ہوئے انداز میں اس کی کمر پکڑتے ہوئے کہا۔

”مجھے تہانہ چھوڑو..... یہ کیا ہو رہا تھا۔ وہ کون تھا۔ وہ کون تھا۔“ حمید طویل سانس لے کر مڑا اور اسکے ہاتھ اپنی کمر پر سے ہٹاتا ہوا بولا ”کیا تم نے دیکھا نہیں کہ اس کا چہرہ نقاب میں چھپا ہوا تھا“

”لیکن کیوں؟ وہ یہاں کیوں آیا تھا۔“

”شاید چوری کرنے۔“

”کیا لے گیا۔“

”کنٹرل فریدی اور کیپٹن حمید کی عزت۔“ حمید نے جھلا کر کہا۔

وہ تھوک نکل کر رہ گئی اور سبھی سبھی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھتی رہی۔ تھوڑی دیر بعد

فریدی واپس آ گیا۔ اس کے چہرے پر جھنجھلاہٹ کے آثار تھے۔ حمید نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

”تم بالکل گدھے ہو۔ جب میں نے اسے کور کر رکھا تھا تو لپٹ پڑنے کی کیا ضرورت تھی۔“

”میں سمجھا تھا شاید کوئی پردہ نشین خاتون ہیں۔“ حمید نے جل کر جواب دیا۔

”بکومت۔“

”جناب عالی..... میں لڑکھڑا کر اس پر گرا تھا..... اتنا احمق نہیں ہوں۔ جلدی میں



”سرے دن فریدی اپنے آفس میں حمید سے کہہ رہا تھا۔

”اس بار مجرم چوک گیا..... جائے واردات پر اس بار اس کی انگلیوں کے نشانات مل ہی گئے۔ حمید صاحب۔ اگر وہ سرخ تہناری مسمری کے نیچے نہ ملتی تو اس بار بھی وہ محکمہ سراغ رسانی کے ہاتھ سے گیا تھا۔“

”آخر وہ ہے کون۔“

”میں جادوگر نہیں ہوں..... ابھی تک کی رپورٹ یہی ہے کہ اس قسم کے نشانات نہ تو

صدقہ نشانات کے فائل میں مل سکے ہیں اور نہ غیر صدقہ نشانات کے فائل میں اور دوسری

بات سنو..... اس سیال کے تجزیے کی رپورٹ بھی آگئی ہے جو سرخ میں بھرا ہوا تھا۔ اس ایک قطرہ بھی تمہارے جسم میں پہنچ جاتا تو تم دوسری سانس نہ لے سکتے۔“

”آخر آپ نے کس بناء پر یہ جال بچھایا تھا۔“

”میرا خیال تھا کہ قاتل ہر اس آدمی کو مار ڈالنے کی کوشش کرے گا جو اس کے درمیان آنے کی کوشش کرے گا۔ کل کمار رقابت کا شکار ہوا تھا۔“

”مگر کارٹوسوں پر ہزار کی انگلیوں کے نشانات ملے تھے۔“

”مشکل کام نہیں ہے۔ تم میرے ایسے دو کارٹوس نہایت آسانی سے چراستے ہو۔“

میں اپنی بیٹی میں رکھتا ہوں اور پھر یہ تمہارا کام ہے کہ تم ان پر اپنی انگلیوں کے نشانات چھو بغیر استعمال بھی کر ڈالو۔ سنو..... شاید کے سینے میں جو خنجر پایا گیا تھا وہ اسی جگہ دوسری بار

گیا تھا۔ وہ بھی لاش کے ٹھنڈی ہو جانے کے بعد..... اس کے کیس کے فائیل میں پوسٹ کی رپورٹ بھی موجود ہے اور وہی اس حقیقت کا اظہار کرتی ہے۔ لیکن افسوس کہ وہ

رواوی میں ذیل کیا گیا تھا۔ کسی نے اس کی طرف دھیان نہیں دیا۔ جس خنجر سے شاید قتل کیا تھا اسے اس کے سینے سے نکال کر اس کی جگہ دوبارہ وہ خنجر گھونپا گیا تھا جس پر ہزار کی انگلیوں کے نشانات تھے۔ اس طرح بقیہ پچھلے کیسوں میں بھی یہی کیا گیا تھا تاکہ پولیس کے ریکارڈ

ایک پر اسرار آدمی کی انگلیوں کے نشانات کا اضافہ ہوتا رہے اور پھر جب اصل مجرم یہ دیکھ آئندہ کسی کیس میں اس کے اپنے پھنس جانے کے امکانات پیدا ہو گئے ہیں تو ہزار کو دکھا۔

کر پولیس کے سامنے کر دے۔ وہ ایسا ہی موقع تھا جب ہم ہزار کی لاش سے دوچار ہوئے تھے۔ کیا تم یہی نہیں چیتے رہے تھے۔ ہزار نے ہم میں سے کسی کو قتل کرنے کے لئے ہم

چھلانگ لگائی تھی۔ بہر حال وہ سارے پر اسرار نشانات مردہ ہزار کی انگلیوں کے نشانات سے گئے تھے۔ چلے بادی النظر میں کیس ختم ہو گیا۔ لیکن سوال یہ ہے کہ ہزار نے اپنے چاروں

کیوں ضائع کر دیئے۔ جب کہ کل کمار کو بھی اسی طرح چپ چاپ تے کہیں قتل کر سکتا تھا۔

شاید کو کیا تھا اور یہ بھی سن لو کہ یہ شاید بھی کسی زمانے میں آشا کا منظور نظر رہ چکا ہے۔

”زندہ ہوتا تو وہ بھی دلیل پیش کرتا اپنے بچاؤ کے لئے۔“ حمید بولا۔

”اور شاید اس قتل کا الزام اس کی نانی کے سر تھوپنے کی کوشش کرتا اور یہی حقیقت بھی

ہے۔ جناب کرنل صاحب۔ وہ اس کی نانی کا کوئی آدمی تھا کچھلی رات۔“

”اے مت بھولو کہ نانی خود آشا کی موت کا خطرہ نہیں مول لے سکتی۔ ان تینوں گولیوں

میں سے کوئی آشا کے بھی لگ سکتی تھی۔ سنو تم بیک وقت دس گیندیں اس طرح اچھال لو کہ اس

کے درمیان ایک انچ کا بھی فاصلہ نہ ہو..... لیکن تم مجھ سے جس گیند پر بھی نشانہ لگانے کو کہو گے

اسی کے چیتورے اڑیں گے۔ دس آدمیوں کو برابر سے دوڑا دو جسے کہو گے اسی کو گراؤں گا۔ لیکن

اگر ان میں سے ایک تمہارا بھائی بھی ہو تو تم مجھے کبھی اپنی مشاقی کا ثبوت پیش نہ کرنے دو گے۔

والا کہ تم بھی میرے نشانے سے اچھی طرح واقف ہو۔ کیا سمجھے۔“

”کچھ بھی نہیں سمجھا۔“

”قاتل خواہ کیسا ہی قادر انداز کیوں نہ رہا ہو۔ آشا کی نانی اس پر اعتماد نہ کرتی لیکن

قاتل خود اپنی ذمہ داری پر سب کچھ کر گزرتا۔ شعوری طور پر وہ آشا کو بے اندازہ چاہتا ہے لیکن

اس کے لاشعور میں اس کے لئے بے اندازہ نفرت موجود ہے۔ کیونکہ وہ خود اس کی طرف متوجہ

ہونے کی بجائے دوسروں کو چاہنے لگتا تھا۔ لہذا لاشعور کی یہی نفرت اس یقین کی شکل میں شعور

پر منعکس ہوتی ہے کہ اس کی مشاقی صرف کل کمار ہی تک محدود رہے گی۔ آشا کو کوئی گزند نہ

پہنچے گا۔ حالانکہ ہندو تو ٹیلو بور تھی۔ جس کے کارٹوس کی گولیاں ڈھائی فٹ کے دائرے میں

پھیلتی ہیں۔ ان میں سے کوئی آشا کا بھی کام تمام کر سکتی تھی لیکن اتفاقاً ایسا نہیں ہوا۔“

”جہنم میں جائے..... پتہ نہیں اس کی نانی اس کے ساتھ کس طرح پیش آئی ہوگی۔ وہ تو

اب بھی جانے کے لئے تیار نہیں تھی۔“ حمید نے برا سامنے بنا کر کہا۔

”اگل کا پارٹ ختم ہو چکا اس ڈرامے میں۔ اب اسے بھول جاؤ۔ کبھی ادھر کا رخ بھی کیا

تو مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا۔“

فریدیں حریہ کچھ کہنے والا تھا کہ منکر پرنٹ سیکشن کا انچارج کمرے میں داخل ہوا اور کچھ

ب تو اس سے ملنے کے امکانات بھی نہیں رہے تھے۔ کس بہانے سے ملتا۔ وہ سوچ ہی رہا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی اور ریسور کان سے لگاتے ہی حمید کی بانجھیں کھل گئیں کیونکہ دوسری طرف سے شہو سیٹھ ہی بول رہا تھا۔ کہہ رہا تھا۔ ”کیا کرل صاحب موجود ہیں۔ خدارا ان سے کہئے۔۔۔ وہ فون مل گیا ہو تو مجھ پر کرم کریں۔ کہئے تو میں خود ہی حاضر ہو جاؤں۔“

فریدی لائبریری میں تھا۔ حمید اسے ہولڈ آن کرنے کو کہہ کر لائبریری میں آیا۔ پیغام سن کر فریدی بولا۔ ”اس سے کہہ دو ہم خود ہی آرہے ہیں۔“

پھر تھوڑی دیر بعد وہ دونوں شہو سیٹھ کی کٹھی کی طرف روانہ ہو گئے۔ شہو سیٹھ پہنچنے میں دیر نہ لگی۔ کمرہ بدستور بدبو سے گونج رہا تھا اور وہ اپاچوں والی کرسی پر بیٹھا چند حیائی ہوئی آنکھوں سے ان کی طرف دیکھ رہا تھا۔

”آپ یاد کر کے بتائیے۔۔۔ کیا ان سچلوں پر نیلے رنگ کی چھوٹی چھوٹی چٹیاں بھی تھیں۔“ فریدی نے اس سے پوچھا۔

”جی ہاں۔۔۔ جی ہاں۔“ وہ سر ہلا کر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

”گڈ۔۔۔!“ فریدی کی آواز میں حمید نے دبا سا جوش محسوس کیا۔ ”اب آپ کا شانی علاج ہو جائے گا۔ ذرا اپنے ہونٹ تو دکھائیے۔“

”آپ مجھ سے اور زیادہ نفرت کرنے لگیں گے۔“ شہو نے رقت آمیز آواز میں کہا۔ ”مجھے آپ سے ہمدردی ہے شہو سیٹھ۔ آپ بہت اچھے آدمی ہیں۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ ہر ماہ ہزاروں روپے خیرات کرتے ہیں اور اس میں ہندو مسلمان کی تخصیص نہیں کرتے۔“

”ارے میں کس لائق ہوں۔“ شہو سیٹھ نے کہتے ہوئے اپنے چہرے سے کپڑا ہٹا دیا اور حمید نے کراہت کے مارے آنکھیں بند کر لیں۔ سوچے ہوئے ہونٹ سورا کی تھوٹھنی سے مشابہ تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے ان پر کی کھال ابھی اتاری گئی ہو اور ان سے خون ٹپک پڑے گا۔

پھر فریدی کی آواز پر ہی آنکھیں کھلی تھیں جو کہہ رہا تھا۔

”بیٹے مرادؔ بڑا شاندار میک اپ ہے۔“

کاغذات فریدی کے سامنے رکھتا ہوا بولا۔ ”یہ تینوں سیٹ ایک ہی آدمی کی انگلیوں سے تیار رکھے ہیں۔“

”گڈ۔۔۔ بہت بہت شکریہ۔“

انچارج کے چلے جانے کے بعد فریدی نے فون پر یکے بعد دیگرے کئی نمبر ڈائل کرے اور ہر نمبر پر یہی کہتا رہا۔ ”مردنگ جہاں بھی ملے فوراً گرفتار کرلو۔“

”مردنگ۔۔۔!“ حمید نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ دیں۔

”برخوردار۔۔۔!“ فریدی پر معنی انداز میں مسکرایا۔ ”لیکن مجھے یقین ہے کہ اب وہ اس گرد کو بھی نہ پاکیں گے۔ کیونکہ وہ سیرنج پر اپنی انگلیوں کے نشانات چھوڑ گیا ہے۔“



تین دن سے مردنگ کی تلاش جاری تھی۔ لیکن ابھی تک تو وہ ملا نہیں تھا۔ اخبارات اور اس کیس کے متعلق تفصیلات شائع ہو گئی تھیں اور محکمہ سراغ رسانی کی طرف سے اپیل بھی شائع ہوئی تھی کہ ڈائریکٹر ہیزا کو قلم کے لئے مالی امداد دینے والا رضا کارانہ طور پر سامنے آجائے کیونکہ اس سے کیس کے بعض اہم پہلوؤں پر روشنی پڑ سکے گی۔

لیکن ابھی تک کوئی ایسا آدمی بھی سامنے نہیں آیا تھا۔

آشا کی نانی کرل فریدی اور کیپٹن حمید کے گرد پھرتی تھی۔ ان کی بلائیں لیتی تھی۔ جب سے اپنی تلخ کلامیوں کی معافی مانگتی تھی اور آشا بے حد سنجیدہ ہو گئی تھی۔ اس حقیقت کے اظہار کے بعد پھر تو اس کے ہونٹوں پر ہنسی نہیں دکھائی دی تھی۔

حمید سوچ رہا تھا کہ اب یہ بھی ہاتھ سے گئی۔ دفعتاً اسے شہو سیٹھ کی سیکریٹری جینی کا ڈال آیا۔ وہ اسے بہت پسند آئی تھی۔ لیکن ایسی نہیں معلوم ہوتی تھی کہ فلرٹ کرنے کا موقع دیتی

آٹا کی شادی کے امکانات پیدا ہو سکتے تھے۔ ہاں تو وہ میرا دوست تھا۔ ہم دونوں بلیک میلنگ کر کے بڑھے تھے۔ وہ اپنے حصے کا روپیہ اڑا دیتا تھا اور میں جمع کرتا رہا۔ حتیٰ کہ اتنی رقم ہو گئی تھی کہ میں کوئی بڑا کاروبار کر سکوں۔ پھر میں نے شیموسینٹھ کی حیثیت اختیار کی۔ جس کا علم اسے بھی نہ ہونے پایا۔ بلیک میلنگ کے سلسلے میں بہت بڑے بڑے خاندان میرے اب بھی شکار ہیں جن سے بڑی بڑی رقومات اب بھی وصول کرتا رہتا ہوں۔ جینی میری سیکریٹری اس کا رو بار کی دیکھ بھال کرتی ہے لیکن اسے اس کا علم نہیں۔ وہ تو سمجھتی ہے کہ میرے پاس آنے والے نجی خطوط میرے رشتہ داروں کے ہوتے ہیں یا ان لوگوں کے جنہیں میں خیرات کے طور پر رقومات دیا کرتا ہوں۔ ان خطوط میں بظاہر کچھ بھی نہیں ہوتا۔ لیکن خیر سگالی کے جملوں کے درمیان مخصوص قسم کے اشارے پوشیدہ ہوتے ہیں جنہیں صرف میں ہی سمجھ سکتا ہوں یا میرے شکار۔ میں ان خطوط کے جوابات لکھواتا ہوں..... وہ بھی بظاہر خیر سگالی ہی سے متعلق ہوتے ہیں۔ کرنل فریدی لڑکی کو عدالت میں نہ گھسیٹا۔ بہت اچھی لڑکی ہے۔ دنیا میں واحد ہستی جس پر مجھے دم آیا ہے اور میں خود کو صرف اسی کے سامنے بے حد ذلیل متصور کرتا ہوں۔ وہ بے چاری میرے لئے روتی ہے۔ کہتی ہے میں اس سے بھی زیادہ بدبو برداشت کر سکتی ہوں۔ اس سے پہلے کوئی لڑکی دس پندرہ دن سے زیادہ نہیں نکلی۔ ادھ میں بہک گیا۔ ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ بہزاد میرا پائزر تھا۔ میں نے کئی خون کئے ہیں۔ تمہاری وہ رپورٹ قطعی درست ہے جو تم نے اخبارات کو دی ہے۔ واقعی میں نے اُسے قربانی کے بکرے کی حیثیت سے رکھ چھوڑا تھا۔ اس لئے ہر واردات سے پہلے جانے واردات پر اس کی انگلیوں کے نشانات پائے جانے کا انتظام کر لیتا تھا۔ اس شام جب تم لاارڈو کے دفتر آئے تھے میں اس کے فلیٹ میں موجود تھا۔ وہ منجوگتا کے غم میں صبح ہی سے بیتا رہا تھا۔ میں نے سوچا بہت اچھا موقع ہے۔ لہذا میں تمہاری واپسی کا انتظار کرتا رہا۔ پھر جیسے ہی تم نظر آئے میں نے اس کے ہاتھ میں خنجر تھا کر تمہارے اوپر دھکیل دیا۔

”اگر وہ زندہ بچ جاتا..... تب.....!“ فریدی نے پوچھا۔

”وہاں سے ہسپتال کے راستے میں کسی نہ کسی طرح اُسے ختم ضرور کر دیتا۔ اب تم بتاؤ کہ

حمید نے اس کے ہاتھ میں اعشاریہ چار پانچ کا ریوالور دیکھا۔ جو شیموسینٹھ کی طرف ہوا تھا۔

”پھر بھی تم مجھے زندہ گرفتار نہ کر سکو گے۔“ پرسکون لہجے میں جواب ملا۔ اس بار حمید مردنگ کی آواز صاف پہچانی اور اچھل پڑا۔ وہ کہہ رہا تھا۔ ”یا تو مجھے دور ہی سے گولی مار دو۔ قریب آؤ گے تو تمہارے بھی پرچے اڑ جائیں گے۔ میں نے کبھی شکست نہیں تسلیم کی۔ وہاں لمب میں زندہ بھی نہیں رہنا چاہتا۔ کیونکہ جس کے لئے اتنے پاپڑ بیلے تھے وہ اب مجھ سے شدت سے نفرت کر رہی ہوگی۔ پہلے تو میری باتوں پر کم از کم ہنس ہی لیا کرتی تھی اور میری دل کی کلی کسی طور پر سہی کھلی تو رہتی تھی۔ اب میں جی کر کیا کروں گا۔ تم اس طرح مجھے بے فکر نہ کرتے تب بھی میں خودکشی تو کر ہی لیتا۔“

”اچھا تو پھر اس وقت کیوں بلایا تھا مجھے۔“ فریدی اُسے گھورتا ہوا بولا۔

”بتاتا ہوں..... لیکن پہلے یہ دیکھ لو..... ورنہ ہو سکتا ہے کہ گفتگو کے دوران میں مجھے خبر سمجھ کر مجھ پر جھپٹ پڑنے کی کوشش کرو۔ یہ کہہ کر اس نے پیروں میں پڑی ہوئی چادر ہٹائی۔ چھوٹا سا بم رکھا ہوا تھا اور اس کی انگلی اس کے سوچے پر تھی۔

”ہاں تو کرنل فریدی میں نے تمہیں اس لئے بلایا تھا کہ مرنے سے پہلے فخر کر سکوں کہ بلا آخر میں تمہیں بھی دھوکا دے ہی گیا۔ تم مردنگ سے اتنی دیر تک گفتگو کرتے رہے لیکن پہچان سکے۔ لیکن چونکہ تمہاری صلاحیتوں سے بخوبی واقف ہوں اس لئے احتیاط یہ ہم بھی رکھا تھا۔ میں بہت بڑا آدمی ہوں کرنل فریدی۔ عرصہ دراز سے زندگی کے اسٹیج پر ڈبل رول ادا کر رہا ہوں۔ بہزاد میرا پائزر تھا۔ لیکن صرف میری مردنگ والی شخصیت سے واقف تھا۔ میں نے بحیثیت مردنگ ہی اسے رائے دی تھی کہ آٹا کو منجوگتا بنائے اور وعدہ کیا تھا کہ شیموسینٹھ فائیننس دلا دوں گا۔ اس وقت تک یہ مکمل کمار کم بخت بیچ میں نہیں کودا تھا۔ پھر جب مجھے معلوم ہوا کہ وہ اسی صورت میں معاہدہ کرے گی جب ہیرو کا رول مکمل کمار ادا کرے گا۔ آگ لگ گئی یہ سن کر..... میں نے کہا بلا سے چار لاکھ چلائیں لیکن اسے تو ختم ہی کر دوں گا۔ کیونکہ اسے

تمہیں شہسوینٹھ پر کیسے شہ ہوا تھا۔“

”بدو کی وجہ سن کر۔ ساری دنیا میں پائی جانے والی نباتات کے متعلق میری وسیع ہیں۔ بلاشبہ برازیل کے جنگلوں میں سیب کی شکل کا ایک زہریلا پھل پایا جاتا ہے۔ اتنا زہریلا بھی نہیں کہ تمہارا سا حال ہو جائے۔ صرف بخار آتا ہے اس کے کھانے سے سی پھنسیاں جسم پر نکل آتی ہیں اور رفتہ رفتہ اس کے اثرات زائل بھی ہو جاتے ہیں۔ تم سے اس پھل کے متعلق سن کر مبالغہ آرائی کی تھی۔ بہر حال میں نے تمہاری سیکریٹری سے تمہاری انگلیوں کے نشانات حاصل کئے اور بحیثیت مردنگ تم نے اپنی انگلیوں کے میری کرسی کے تھپے پر چھوڑے تھے اور بحیثیت نہ معلوم حملہ آور سرخ پر.....!“

”مجھے اپنی کامیابی کا اتنا ہی یقین تھا کہ میں نے دستاں استعمال کرنے کی ضرورت سمجھی تھی۔ اچھا اب پیچھے ہٹ جاؤ..... ہٹو.....!“

”خود کو قانون کے حوالے کر دو..... ہو سکتا ہے.....!“

لیکن جملہ پورا ہونے سے قبل ہی ایک دل ہلا دینے والا دھماکہ ہوا اور گہرا دھواں میں پھیلنے لگا۔ فریدی حید کا ہاتھ پکڑ کر دروازے کی طرف چھٹا۔ باہر نکل آیا۔ کانٹا کھڑکیوں سے گہرا دھواں پھوٹتا رہا۔ وہ سمجھے شاید عمارت میں آگ بھی لگ گئی ہے۔ حید سے کہا کہیں قریب سے فائر بریگیڈ کے لئے فون کرو۔

کچھ دیر بعد فائر بریگیڈ بھی پہنچ گئی۔ لیکن اب کھڑکیوں سے دھواں نہیں نکل رہا، وہ جھپٹ کر اندر پہنچے۔ پانچوں والی کرسی خالی پڑی تھی۔

”اوہ..... دھوکا۔“ فریدی دانت پیس کر غرایا۔ ”نکل گیا۔“

ساری عمارت، چھان ماری۔ لیکن مردنگ یا شہسوینٹھ کا کہیں پتہ نہ تھا۔

دوسرے دن اخبارات میں کرٹل فریدی کی اس شکست کی داستان بڑی دلچسپی سے

ستاروں کی چپچپیں

(دوسرا حصہ)

تمام شد

پیش رس

ایک صاحب نے انتہائی غصے کے عالم میں لکھا ہے ”آپ ہی جیسے لکھنے والے فلمی دنیا کے متعلق غلط فہمی پھیلاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ شریف گھرانوں کی لڑکیاں اس کی طرف متوجہ نہیں ہوتیں۔“

بھائی آپ خفا کیوں ہو رہے ہیں۔ شاید آپ کو اطلاع نہیں کہ سماجی قدریں تیزی سے بدل رہی ہیں۔ آج سے پندرہ بیس سال پہلے شرافت کا جو معیار تھا اُسے آج فلاکت زدگی اور جہالت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر ”پردہ“ کو لے لیجئے۔ پہلے یہ شرافت اور عالی نسب کی پہچان تھی۔ آج پردہ نشین خواتین کو یا تو نچلے طبقے سے متعلق سمجھا جاتا ہے یا جاہل۔۔۔ بہر حال آپ کی مراد برآنے پر بمشکل دس سال اور لگیں گے کیونکہ ابھی ہمارے یہاں کے شریف آدمی آزادانہ صنفی اختلاط کی طرف قدم بڑھاتے ہوئے کسی قدر ہچکچاتے ہیں۔ صرف دس سال اور صبر کیجئے۔ یہ خلیج بھی حائل نہ رہے گی۔ پھر ہوں گے آپ کے پو بارہ۔ لائیے ہاتھ اسی بات پر۔

لیکن آخر یہ تو بتائیے پچھلے ناول میں آپ کو ایسی کون سی بات نظر آئی تھی جس کی بناء پر آپ کو خدشہ لاحق ہوا کہ اُسے پڑھ کر شریف گھرانوں کی لڑکیاں آپ کی فلمی دنیا کی طرف متوجہ ہونا ترک کر دیں گی۔ والسلام

ابن

ستاروں کی چٹخیں حاضر ہے۔ اب کوشش یہی ہے کہ آپ ہر ماہ میری کم از کم ایک کتاب تو پڑھ ہی سکیں۔

مردنگ کے سلسلے میں بہترے حضرات نے مجھے لکھا ہے کہ میں نے یہ اچھا نہیں کیا۔ ایک فلمی کومیڈین اور فریدی جیسے عظیم آدمی کا راستہ کاٹ جائے؟

اس کے علاوہ اور کیا عرض کیا جاسکتا ہے۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے۔ آپ بھی نہ بھولئے کہ مردنگ ایک کامیاب اداکار تھا۔ پھر وہ اداکاری ہی کیا کہ اُس پر اصل کا دھوکہ نہ ہو جائے۔ مردنگ نے اپنے فن کے جال میں فریدی کو پھانسا تھا۔ اب دیکھئے کہ فریدی کس طرح پلک جھپکتے اُسے قابو میں کرتا ہے۔ دونوں کے میدان الگ الگ ہیں۔ دونوں ہی اپنے اپنے فنون کے مظاہرے میں کامیاب رہے۔

ایک صاحب نے لکھا ہے کہ آپ پر یکایک فلمیر یا کا دورہ کیوں پڑ گیا ہے۔ جب کہ فلمی دنیا کے متعلق آپ کی معلومات کچی ہیں۔

اُن کی خدمت میں عرض ہے کہ جتنا کچھ میں نے اس سلسلے میں لکھا ہے بالکل ”کچی“ معلومات کی بناء پر لکھا ہے۔ اگر آپ کو کسی خاص ”معاملے“ میں ”کچا پن“ نظر آ رہا ہو تو ضرور لکھ بھیجئے۔ کیونکہ بہتری باتیں ”شنیدہ“ ہو سکتی ہیں۔ اُن کے ”چشم دید“ ہو جانے کا امکان نہیں۔

بھیس بند کر کے طوقِ لعنت قبول کر لیا۔

”شیطان۔“ حمید نے طویل سانس لی اور چونک پڑا۔ ایک معمر آدمی سامنے والی کرسی کی

ت کاہ پر ہاتھ ٹیکے کھڑا عجیب نظروں سے اُسے دیکھ رہا تھا۔

بوڑھے کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ نظر آئی۔

”تمہاری اجازت کے بغیر۔“ اُس نے کہا اور کرسی پیچھے کھسکا کر بیٹھ گیا۔

عجیب چہرہ تھا۔ پہلی نظر میں بوڑھا ہی معلوم ہوتا تھا لیکن آنکھوں کو بغور دیکھنے پر ایسا لگتا

یہ کوئی شوخ اور کھلنڈرا بچہ کسی نئی شرارت کی فکر میں ہو۔ برف جیسے شفاف بالوں کی چھاؤں

بل وہ آنکھیں بڑی عجیب لگ رہی تھیں۔

حمید سختی سے ہونٹ بھینچے اُسے گھورتا رہا۔

رقص کا دوسرا دور شروع ہو چکا تھا۔

”کیا میرا اس طرح بیٹھنا ناگوار گذرا ہے؟“ اُس نے مسکرا کر پوچھا۔

”مقصد بیان کرو۔“ حمید لا پرواہی سے بولا۔

”میں نے سوچا شاید تم اکیلے ہونے کی وجہ سے بوریت محسوس کر رہے ہو۔“

”اب اور بھی بڑھ گئی ہے۔“

”بوڑھے نے قہقہہ لگا کر کہا۔“ دل جلے معلوم ہوتے ہو۔“

حمید نے ایسی نظروں سے اُسے دیکھا جیسے کہنا چاہتا ہو۔ ”جانتے ہو یا اٹھا کر پھینک دوں۔“

”نہرا مان گئے۔“ بوڑھے نے اُس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتے ہوئے بڑے پیار سے کہا۔

بالکل ایسا ہی لگا جیسے وہ کسی روٹھے ہوئے بچے سے ہم کلام ہو۔

”جاؤ..... کیوں کان کھا رہے ہو۔“ حمید ہاتھ جھٹک کر بولا۔

”ارے تم تو واقعی نہرا مان گئے۔“

”نفسے میں ہو؟“ حمید آنکھیں نکال کر بولا۔

”نئی بات۔ میں تم سے عمر میں بہت بڑا ہوں۔“ وہ انگلی اٹھا کر بولا۔

بیہوشی

رمبا کے لئے موسیقی شروع ہوتے ہی کیپٹن حمید کے پیر فرش پر تال دینے لگے۔
میز پر تہا تھا۔

تہا تھا لیکن مایوس نہیں۔ ہر چند کہ اُس نے تہیہ کر لیا تھا کہ اب لڑکیوں کے دوڑے گا لیکن اس میں کیا مضائقہ تھا کہ کوئی لڑکی خود ہی دوڑتی ہوئی اسکی طرف آئی نقطہ نظر سے لڑکیوں کے پیچھے دوڑنا بڑی بات سہی لیکن اگر کوئی لڑکی خود ہی قریب آئے اُسے تھپڑ مار کر بھگا دیں گے۔ چلے خود نہ کیا اظہار عشق اگر کوئی لڑکی ہی پہل کر بیٹھی تو کیا یہ کہیں گے۔ ارے ناشدنی تیرے باپ بھائی نہیں ہیں۔ کیا جو تو آتی ہے ہم سے دل لگی وہ سوچ رہا تھا۔ مصیبت تو یہ ہے کہ مرد کو مورد الزام ٹھہرانے والے دنیا کی سب

عورت کا کارنامہ بھول جاتے ہیں۔ ارے مرد تو شروع ہی سے بدھو رہا ہے۔ بھئی حد پن کی۔ حکم خداوندی ایک طرف اور عورت کی نگاہ التفات ایک طرف۔ البتہ شیطان تھا۔ جانتا تھا جسے سجدہ کرنے کو کہا جا رہا ہے اُس میں ایک عورت بھی پوشیدہ ہے۔ لہذا

یہ ایک مشہور برنس مین اور کرکٹ کا پرانا کھلاڑی راجن بابو تھا۔
 ”بھئی معاف کیجئے گا۔“ حمید ہنستا ہوا بولا۔
 ”تم کیپٹن حمید ہی ہونا۔“

”اس میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں۔“

”مجھے دراصل تم سے ایک کام ہے۔“

”فرمائیے..... مجھے بے حد خوشی ہوگی اگر آپ کے کسی کام آسکوں۔“

”میرا سر پھاڑ دو۔“ اُس نے سنجیدگی سے کہا۔

حمید ہنس پڑا۔

”میں سنجیدگی سے کہہ رہا ہوں صاحبزادے۔“

”پھر مجھے دوبارہ کہنا پڑے گا کہ آپ ضرورت سے زیادہ پی گئے ہیں۔“

”خدا کے لئے سنجیدگی سے سنو۔“ اُس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

اور پھر حقیقتاً حمید کو چونکنا پڑا۔ اُس کی دانست میں کچھ دیر پہلے والی بکواس تو ایکٹنگ ہو سکتی تھی لیکن اب؟

اُس نے بغور اُسے دیکھتے ہوئے کہا۔ ”فرمائیے..... میں بالکل سنجیدہ ہوں۔“

”ضرورتاً تمہیں میرا سر پھاڑ دینا چاہئے۔“ راجن بولا۔ ”سمجھ میں نہیں آ رہا کہ میں اس

وقت اپنے خیالات کا اظہار کن الفاظ میں کروں کہ تم میرے مافی الضمیر سے آگاہ ہو جاؤ۔“

”خیر چلے..... ٹھیک ہے میں سمجھ گیا۔“

”کیا سمجھ گئے۔“

”کس وجہ سے آپ چاہتے ہیں کہ آپ کا سر پھٹ جائے۔“

”بالکل..... لیکن وعدہ کرو کہ وجہ معلوم کر کی تم ہنسو گے نہیں۔“

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ سنجیدہ ہو گیا تھا۔

”میں چاہتا ہوں کہ تم مجھے.....!“ راجن کچھ دیر بعد بولا۔ لیکن جملہ پورا کئے بغیر ہی

حمید نے سوچایوں نہ مانے گا۔ یقیناً اتنی زیادہ پی گیا ہے کہ بڑھاپے نے ماضی کی طرح
 چھلانگ لگادی ہے۔ وہ چند لمحے مضحکہ انہاز میں اُسے دیکھتا رہا پھر مسکرا کر بولا۔ ”اور
 گئے۔“

”اچھا تو واقعی تم یہی سمجھ رہے ہو کہ میں نشے میں ہوں۔“

حمید نے لا پرواہی سے شانوں کو جنبش دی۔

”مجھے تو تمہاری حالت پر رحم آیا تھا۔“ بوڑھے نے کہا۔

”اچھا..... آ..... آ.....!“

”یقیناً..... جوان ہو..... خوشرو ہو..... صاحب حیثیت بھی معلوم ہوتے ہو۔ پھر بھی
 میز پر تنہا..... اُدھر یہ عالم ہے کہ سڑے بے آدی بھی کسی نہ کسی کے ساتھ رقص کر رہے ہیں۔“

”میں برہم چاری ہوں۔“ حمید نے غصیلے لہجے میں کہا۔

”اور یہاں تپشیا کر رہے ہو۔“ وہ ہتھیر لگا کر بولا۔

”نہیں کسی ایسی ہستی کا منتظر ہوں جو مجھے کسی پری خانے کا پتہ بتا دے۔“

”اوہو.....!“ بوڑھا اُسے گھورتا ہوا غصیلی آواز میں بولا۔ ”تو تم مجھے لڑکیوں کا دلال

رہے ہو۔“

”ہرگز نہیں..... تم تو رحمت کے فرشتے ہو۔“

”یہ رہا میرا کارڈ۔“ وہ جیب سے اپنا تعارفی کارڈ نکال کر میز پر پختا ہوا بولا۔ ”تم

سمجھتے ہو؟“

حمید نے منہ پھیر لیا..... لیکن وہ اُس کا ہاتھ پکڑ کر جھجھوڑتا ہوا بولا۔ ”نہیں..... دیکھو۔“

دیکھو..... تم شاید سمجھتے ہو کہ میں تمہیں نہیں پہچانتا۔“

”مجھے پہچانتے ہو۔“ حمید اُس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا اور پھر اُس نے اس کے کار

پر بھی نظر ڈالی۔

تب اُسے یاد آیا کہ اس کا چہرہ اُسے جانا پہچانا سا کیوں معلوم ہو رہا تھا۔

”بیوی کا.....؟“ وہ سر اٹھا کر اُس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

حمید کو ہنسی آ گئی۔

”دیکھو دیکھو.....!“ وہ بُرا مان کر بولا۔ ”تم ہنس رہے ہو۔“

”میری کمزوری ہے..... لفظ بیوی پر مجھے ہنسی آ جاتی ہے۔“

”وہ کیوں؟“ راجن کا لہجہ غصیلا تھا۔

اتنے میں ویٹر بوربن اور آر شیخ جوس لے آیا۔

حمید کہہ رہا تھا۔ ”حقیقتاً یہ لفظ میں بی ہائیوٹ تھا جسے ہم لوگوں نے اردو میں بیوی بنا

الا۔“

”بہت شیطان ہو۔“ راجن اُسے تھپڑ دکھا کر بولا اور خود بھی ہنسنے لگا۔

”بہر حال میں سنجیدہ ہوں۔“ حمید نے کہا۔

”اب تم نے شہد کی مکھوں کے چھتے والی بات چھیڑی ہے۔ تو سن لو کہ وہ میرے لئے

یہی ہے۔ میں اُس سے ڈرتا نہیں ہوں۔ لیکن وہی مکھوں کی سی جھنجھناہٹ..... زبان تھکنے کا

ام ہی نہیں لیتی اور میں سوچتا رہتا ہوں یا خدایا تو اس کی زبان بند کر دے یا مجھے ہی ابدی نیند

ملادے۔“

حمید خاموشی سے اُس کی بیوی کے متعلق سوچتا رہا اور کیوں نہ سوچتا جب کہ اُسے اس کی

بیوی ہی کے توسط سے پہچانا تھا۔ ایک بار کہیں ایک بڑی شوخ چنچل اور زندگی سے بھرپور لڑکی

نظر آئی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اُس کی رگوں میں خون کی بجائے سیلاب رواں ہو۔ حمید

نے ٹھنڈی سانسیں بھری تھیں اور اُس کا ساتھی بولا تھا۔ ”مایوس ہو جاؤ..... شادی شدہ ہے۔“ پھر

اُس نے راجن بابو کی طرف اشارہ کر کے کہا تھا۔ ”وہ رہا شوہر بھی۔“

حمید نے جھلا کر کہا تھا۔ ”میں ایسے معاملات میں مذاق نہیں پسند کرتا۔“

”عام طور پر لوگ اُسے اُس کی بیٹی ہی سمجھتے ہیں۔“

پھر کچھ دیر بعد حمید کو اُس کی بات پر یقین آ گیا تھا۔ لیکن وہ عورت اُس کے ذہن میں

شہد کی مکھوں کا چھوٹا

خاموش ہو گیا۔

”کہئے..... کہئے۔“

”مجھ میں نہیں آتا کس طرح کہوں..... تم کیا سمجھو گے۔“

”مجبوری ہے۔“ حمید خشک لہجے میں بولا۔ ”کس طرح یقین دلایا جائے۔“

”ہوں اچھا دیکھو۔ اگر میں تم سے یہ کہوں کہ مجھے بیہوشی کی حالت میں میرے گھر پہنچاؤ

تو تم کیا سوچو گے۔“

”کچھ بھی نہیں۔“ حمید مسکرایا۔ ”میں آپ کی زندہ دلی کے بارے میں بہت کچھ سن چکا ہوں۔“

”لیکن یہ مذاق نہیں ہے۔ میں مر جانے کی حد تک سنجیدہ ہوں۔“

”تو کہئے نا۔“

”زخمی ہو کر بظاہر بیہوشی کے عالم میں گھر جانا چاہتا ہوں۔“

”زخمی ہوئے بغیر بھی آپ بیہوش ہو سکتے ہیں۔“

”تو پھر کرونا کوئی تدبیر.....؟“

”ظاہر ہے کہ اس سے پہلے وجہ جانا چاہوں گا۔“

”بتانا ہوں..... کچھ پیو گے۔“

”نہیں..... شکریہ۔“

”میں پیوں گا۔“

حمید نے اشارے سے ویٹر کو بلایا۔ راجن نے اُس سے کہا۔ ”بوربن..... برف اور آرزو

جوس کے ساتھ۔“

ویٹر کے چلے جانے کے بعد تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر راجن بڑبڑایا۔ ”یہ خوف نبرد

ہے۔ میں کسی سے نہیں ڈرتا۔ ہرگز نہیں..... میری ساری زندگی حادثات اور کارناموں سے

ہے..... لیکن میں..... میں ایسے حالات میں اُس کا سامنا نہیں کر سکتا۔“

”کس کا.....؟“ حمید نے پوچھا۔

ایک انجانی سی خلش چھوڑ گئی تھی۔

”تم کیا سوچنے لگے۔“ راجن نے کچھ دیر بعد کہا۔

”کک..... کچھ نہیں۔“ حمید چونک کر بولا۔ ”میں پوری طرح سمجھ گیا۔ محترمہ اتنی راز

گئے تک باہر رہنے پر چراغ پا ہوں گی۔ اس لئے آپ چاہتے ہیں کہ غصہ آنے سے پہلے ہی
بوکھلا جائیں اور آپ سکون سے رات بسر کر سکیں..... کیوں؟“

”بالکل یہی۔“ وہ میز پر ہاتھ مار کر بولا۔ ”واقعی تم اپنے عہدے اور پیشے کے
موزوں ترین آدمی ہو کیپٹن..... خیر اب میں تمہیں پوری بات بتا دوں۔ بیوی نے کہا تھا کہ
کے بیمار بھائی کی مزاج پر سی کراؤں۔ سرشام کی بات ہے۔ میں گھر سے نکلا۔ راستے میں
لڑکیاں مل گئیں..... ادھر کھینچ لائیں۔ تمہارے چہرے پر حیرت کے آثار دیکھ رہا ہوں
ہونہہ..... شروع ہی سے لڑکیاں میرے گرد چکراتی رہی ہیں۔ اس بڑھاپے میں بھی یہی
ہے۔“

وہ خاموش ہو کر فخریہ انداز میں حمید کی طرف دیکھتا رہا پھر بولا۔ ”کئی شادیاں کر
ہوں۔ کوئی بیوی آٹھ دس سال سے زیادہ زندہ نہ رہی۔ یہ بیوی..... کیا سمجھتے ہو۔ کیا عمر ہو
اس کی۔“

”بھلا میں کیا عرض کر سکتا ہوں۔“

”صرف بائیس سال..... اور وہ خود ہی میری طرف جھکی تھی۔“

”ماشاء اللہ.....!“

”لیکن میں اُس کی نہ رکنے والی زبان سے نالاں ہوں۔“

”پھر میرے لئے..... کیا حکم ہے؟“

”جیسے کہا ہے اُسی طرح میرے گھر پہنچا دو۔“

”ایسے آدمی کا سر پھاڑنا میرے بس سے باہر ہے۔“

”تو میں یونہی بیہوش بنا جاتا ہوں۔ لیکن تم نمی سے کہو گے کیا.....!“

”یہی کہ دو لڑکیوں نے انہیں روک لیا تھا۔“

”کیا.....؟“ وہ دہاڑا۔

”اوہ..... مطلب یہ کہ..... یہ بھی آپ ہی بتائیے۔“

وہ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ ”کہہ دینا گاڑی سڑک کے کنارے کھڑی ملی تھی
اور یہ اسٹیرنگ پر سر ڈالے بیہوش پڑے تھے۔“

”اگر انہوں نے پوچھا کہ ہسپتال لے جانے کی بجائے گھر کیوں لے آئے تو..... اور پھر
تمہیں گھر کا پتہ کیوں معلوم ہوا۔“

”میں کوئی گم نام آدمی تو نہیں..... تم مجھے پہلے سے جانتے تھے۔“ راجن نے لاپرواہی
سے شانوں کو جنبش دے کر کہا۔

حمید نے سوچا چلو اچھا ہی ہے۔ اس طرح نمی سے جان پہچان بھی ہو جائے گی اور وہ
راجن کی خیریت دریافت کرنے کے لئے اُس سے دوبارہ بھی مل سکے گا۔

بل کی قیمت ادا کر کے وہ آرلچو سے باہر آئے۔

”اور وہ دونوں لڑکیاں کہاں ہیں۔“ حمید نے پوچھا۔

”جہنم میں جائیں۔“ راجن بڑبڑایا۔

”خیر ہاں تو اب مجھے کیا کرنا ہے۔“

”یہ رہی میری گاڑی..... میں کچھیلی سیٹ پر لیٹا جاتا ہوں۔ تم اس پتہ پر چلو..... اچھے
لڑکے میں ہمیشہ تمہارا ممنون احسان رہوں گا۔“ راجن نے کہا اور جیب سے اپنا تعارفی کارڈ
نکل کر حمید کو دیتا ہوا بولا۔ ”گھر پہنچ کر کھنی بجانا جو بھی باہر آئے اُس سے پوچھنا راجن بابو کا
مکان یہی ہے..... پھر اُسے بتانا کہ اتنی رات گئے وہاں تمہاری موجودگی کا کیا سبب ہے۔“

حمید نے کارڈ پر پتہ دیکھا اور انجن اشارت کر کے چل پڑا۔ گاڑی شاندار تھی شیورلٹ کا
نیا موزل۔

”تم بھی تو کافی کھلندرے مشہور ہو۔“ کچھیلی نشست سے آواز آئی۔

”ہاں..... لیکن ہوش ہی میں رہ کر۔“

”اب تم اپنے ملنے جلنے والوں میں میرا مضحکہ اڑاتے پھرو گے۔“

”میرا خیال ہے کہ مجھے اس کام کے لئے منتخب کر کے آپ نے عقلمندی کا ثبوت دیا ہے۔ آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ میں صبح تک اس واقعے کو فراموش کر دوں گا۔“

”حقیقتاً اسی توقع پر میں نے تمہارا انتخاب کیا تھا۔ مجھے یقین ہے کہ تم اسے ہمیشہ راز ہی رکھو گے۔“

”جی ہاں..... اب براہ کرم بیہوش ہونے کی کوشش کیجئے۔“

راجن ہنس پڑا۔

”نہیں میں سنجیدگی سے کہہ رہا ہوں..... آپ کے چہرے پر ایسے آثار نہ ہونے چاہئیں کہ بناوٹ ظاہر ہو جائے۔ لہذا آنکھیں بند کیجئے اور چپ چاپ پڑے رہئے۔ غنودگی کی کیفیت پیدا ہو سکے تو کیا کہنا۔“

”یار اس سے بہتر تو یہ تھا کہ تھوڑی سی افون لے لیتا۔“

پھر وہ کچھ نہ بولا۔ پندرہ یا بیس منٹ بعد گاڑی موڑ کر کالونی میں داخل ہوئی، یہاں تھوڑے تھوڑے فاصلے پر متعدد بڑی بڑی عمارتیں بکھری ہوئی تھیں۔ حمید نے ایک آدھ جگہ گاڑی روک کر ٹارچ کی روشنی میں عمارات کے نمبر بھی دیکھے اور پھر راجن دلائل تک بھی جا پہنچا۔

نیند

پھاٹک بند تھا۔ حمید نے گاڑی روک کر ہارن دیئے۔ چوکیدار آتا ہوا دکھائی دیا۔ ابھی اُس نے پھاٹک کھولا بھی نہیں تھا کہ حمید نے پوچھا۔ ”راجن بابو یہیں رہتے ہیں نا۔“

”جی صاحب۔“ سلاخوں دار پھاٹک کے پیچھے سے آواز آئی۔

پھاٹک کھل گیا۔ حمید گاڑی سے اتر آیا۔

”ادھر آؤ..... گاڑی کے قریب۔“

”جی صاحب۔“ چوکیدار گاڑی کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ حمید نے جیب سے پنسل ٹارچ نکال کر راجن کے چہرے پر روشنی ڈالی۔

”یہ راجن بابو ہی ہیں نا.....!“

”جی ہاں۔“ چوکیدار بوکھلائے ہوئے لہجے میں بولا۔ ”انہیں کیا ہوا.....؟“

”بیہوش ہیں۔ تم اندر اطلاع کرو.....!“

چوکیدار مڑ کر اندر بھاگتا چلا گیا۔ پورچ کا بلب روشن ہی تھا۔ حمید نے اُسے برآمدے میں پہنچ کر گھنٹی کا بٹن دباتے دیکھا۔

کبھی وہ بٹن دباتا اور کبھی دونوں ہاتھوں سے دروازہ پینے لگتا۔

ادھر گاڑی میں راجن بے سدھ پڑا تھا۔ حمید نے ایک بار پھر اُس کے چہرے پر روشنی ڈالی اور اُس کی ادا کارانہ صلاحیت پر عیش عیش کرنے لگا۔ بالکل ایسا ہی لگتا تھا جیسے کوئی برسوں کا بیمار نقابت کی وجہ سے بیہوش ہو گیا ہو۔

دروازہ کھل گیا تھا۔ لیکن فاصلہ زیادہ ہونے کی وجہ سے اندازہ نہ کر سکا کہ چوکیدار کس سے کیا کہہ رہا ہے۔

ذرا ہی دیر بعد ایک عورت نظر آئی جو پورچ سے نکل کر پھاٹک کی طرف دوڑی آرہی تھی۔ حمید سنبھل کر کھڑا ہو گیا۔

روشنی اُس کی پشت پر تھی اور باہر اندھیرا تھا۔ اس لئے خدو خال واضح طور پر نہیں دکھائی دے رہے تھے۔

قریب پہنچ کر وہ ہانپتی ہوئی بولی۔ ”کون ہے..... کیا ہے؟ کیا ہوا۔“

”راجن بابو..... بیہوش ہیں۔“ حمید آہستہ سے بولا اور پھر راجن کے چہرے پر ٹارچ کی روشنی ڈالی۔

ان کی جیب سے برآمد ہوا تھا۔ یہ بھی ہو سکتا تھا کہ یہ کسی اور کا ہوتا۔ لیکن میں نے مناسب یہی سمجھا کہ اس پتہ پر دیکھ ہی لیا جائے۔
 ”ان کی جیب میں پرس بھی ہوگا۔“

”مخترمہ.....!“ حمید مسکرایا۔ ”میں اُس وقت تک نہیں جاؤں گا جب تک کہ یہ ہوش میں نہ آجائیں۔“

”معاف کیجئے گا۔“ وہ جلدی سے بولی۔ ”آپ سمجھے نہیں..... ہو سکتا ہے آپ سے پہلے بھی کسی نے ان کی جامہ تلاشی لی ہو۔“

”خدا جانے۔“ حمید بیزاری سے بولا کیونکہ وہ اس وقت اتنی دلکش نہیں معلوم ہو رہی تھی جتنی اُس پارٹی میں لگی جہاں اُس نے اُسے پہلی بار دیکھا تھا۔ اس وقت نہ ہونٹوں پر شونخ رنگ کی لپ اسٹک تھی اور نہ چہرے پر غازے اور کریم کی تھیں۔

”راجو..... ڈاکٹر لودھی کو فون کرو.....!“ دفعتاً اُس نے ایک ملازم سے کہا اور وہ باہر چلا گیا۔

”خاصی سردی ہے۔“ وہ حمید کی طرف مڑ کر بولی۔

”اس کے باوجود مجھے پیدل ہی واپس جانا پڑے گا۔“ حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

”آپ کہاں رہتے ہیں۔“

”میرا پتہ.....!“ حمید نے اپنا تعارفی کارڈ اُس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

اُس نے کارڈ ہاتھ میں لے کر پہلے تو اپشتی سی نظر ڈالی پھر جلدی سے اُسے چہرے کے قریب لے آئی۔

”اوہ..... معاف کیجئے گا۔“ وہ متحیرانہ لہجے میں بولی۔

حمید کچھ نہ بولا۔ وہ اُسے گھورے جارہی تھی۔ کچھ دیر بعد ہٹلائی۔ ”ڈر..... ڈر! میور آپ کو چھوڑ آئے گا۔“

”کوئی بات نہیں..... مجھے تشویش ہے..... کیا اکثر ان پر بیہوشی کے دورے پڑتے رہتے

”کیا ہوا..... ایکسیڈنٹ..... اوہ..... بتائیے۔“

”نہیں مخترمہ فکر کی بات نہیں..... کہیں چوٹ نہیں آئی۔ ایک سڑک کے کنارے گاڑی

کھڑی تھی اور یہ اسٹیرنگ پر سر رکھے بیہوش تھے۔“

”اوہ تو آپ ان کے ساتھ نہیں تھے۔“

”نہیں مخترمہ..... میں ان کے لئے اجنبی ہوں۔“

وہ مضطربانہ انداز میں مڑی۔ اُس کے پیچھے دو آدمی اور بھی اندر سے آئے تھے۔

”نکالو..... انہیں گاڑی سے نکالو..... اندر لے چلو۔“

حمید وہیں کھڑا رہا۔ یہ دونوں ملازم معلوم ہوتے تھے۔ گاڑی کا دروازہ کھول کر وہ راج کو باہر نکالنے کی کوشش کرنے لگے۔ چونکہ ابھی اُن کے ہاتھ بٹانے کے لئے قریب آ گیا تھا پھر راجن کی بیوی اُس وقت حمید کی طرف مڑی تھی جب وہ راجن کو ہاتھوں میں اٹھا پھانک سے گذر رہے تھے۔

”کیا آپ تھوڑی دیر کے لئے اندر آنا پسند فرمائیں گے۔“ اُس نے کپکپاتی ہوئی آواز

میں پوچھا۔

”جی..... جی ہاں..... میرے لائق مزید کوئی خدمت۔“

وہ کچھ نہ بولی۔ حمید اُس کے پیچھے چلتا رہا۔

پھر وہ جس کمرے میں آئے وہ خواب گاہ ہی کی حیثیت سے استعمال ہوتا تھا۔ راجن

مسہری پر ڈال دیا گیا۔

عورت کے چہرے پر بچ مچ سراسیمگی کے آثار نظر آ رہے تھے۔

”کیا آپ انہیں پہلے سے جانتے تھے۔“ اُس نے حمید سے پوچھا۔

”جی نہیں۔“

”تو پھر پتہ کیسے معلوم ہوا تھا آپ کو.....؟“

حمید نے جیب سے راجن کا تعارفی کارڈ نکال کر اُس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

ہیں۔“

”جی نہیں..... کبھی نہیں..... پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا۔“

”کبھی اتنی پی لیتے ہوں.....!“

”نہیں۔“ وہ جلدی سے بولی۔ ”اس حال میں میں نے کبھی نہیں دیکھا۔ بلا نوٹ بڑ

ہیں۔ یونہی کبھی کبھی ایک آدھ پگ لے لیتے ہیں۔“

دفعاً وہ ملازم کمرے میں داخل ہوا جو فون پر ڈاکٹر کو اطلاع دینے گیا تھا۔ اُس چہرے پر عجب سے آثار تھے۔

”کیوں.....!“ نمی نے استعجالیہ انداز میں پوچھا۔

”صاحب پیہ نہیں کون بدتر ہے۔“ وہ ہانپتا ہوا بولا۔

”کون.....؟“

”یہاں سے گیا تو گھنٹی بج رہی تھی۔ ریسور اٹھایا تو دوسری طرف سے بولنے والے

بے تحاشہ گالیاں دیں۔ پھر کہنے لگا کہ آپ کونوں پر بھیج دیا جائے۔“

”کون ہے؟“ وہ غصیلی آواز میں بولی۔

”پیہ نہیں..... زبان ہی نہیں تھکتی سُر کے بچے کی۔“

”ٹھہریے..... میں دیکھتا ہوں۔“ حمید بولا۔

”میں بھی چلتی ہوں..... پیہ نہیں کون ہے۔“

”ہیلو.....!“ اُس نے ماؤتھ پیس میں کہا۔ ”میں مسز راجن بول رہی ہوں۔“

پھر حمید نے اُس کے چہرے پر جھنجھلاہٹ اور شرمندگی کے آثار دیکھے اور وہ حلق ہزار

چیچی ”ٹٹ اپ.....!“

اس کے بعد ریسور کریڈل پر پٹختے ہی جا رہی تھی کہ حمید نے آگے بڑھ کر ریسور اُس

ہاتھ سے لے لیا۔

تھقبہ کی آواز اُس کے کان میں گونجی اور اُس نے ماؤتھ پیس میں کہا۔ ”ہیلو.....“

صاحب ہیں۔“

تھقبہ رک گیا اور کوئی کھکار کر بولا۔ ”آپ کون ہیں۔“

”کیپٹن ساجد حمید آف انٹیلی جنس بیورو۔“

”اوہ..... ویری گڈ..... ہم یہی چاہتے تھے کہ کسی طرح آپ فون پر آئیں۔ ٹھہریے.....

براہ کرم ہولڈ آن کیجئے۔ ایک صاحب آپ کو ایک بہت بڑے راز سے آگاہ کرنا چاہتے ہیں۔“

دوسری طرف سے آواز بند ہوگئی اور حمید کان سے ریسور لگائے کھڑا رہا۔

”کیا بات ہے۔“ نمی نے مضطربانہ انداز میں پوچھا۔

حمید نے ہاتھ اٹھا کر اُسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

”مونٹ گذر گئے۔ لیکن پھر کوئی آواز نہ آئی۔ ویسے دوسری طرف بھی ریسور کریڈل پر

نہیں رکھا گیا تھا۔

اب حمید نے ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر نمی سے کہا۔ ”کسی نے ہولڈ آن کرنے کو کہا ہے۔

لیکن اتنا وقت گذر گیا..... ادھر بھی شائد ریسور میز پر پڑا ہوا ہے۔“

دفعاً ایک چیخ سنائی دی۔ ریسور میں نہیں بلکہ وہ آواز تو کسی قریبی کمرے ہی سے آئی

تھی۔

نمی اچھل پڑی اور یہ کہتی ہوئی دروازے کی طرف جھپٹی ”راجن بابو ہوش میں آگئے

ہیں۔“

لیکن حمید سوچ رہا تھا کیا چکر ہے۔ کہیں وہ کسی سازش کا شکار تو نہیں ہو گیا۔

یہ فون کال اور اب یہ چیخ..... راجن کسی فکر میں ہے۔ اب کیا کرنا چاہتا ہے۔

وہ اب ریسور کان سے لگائے وہیں کھڑا تھا۔

راہداری سے دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز آئی اور ٹھیک اُسی وقت دوسری طرف سے

فون کا سلسلہ بھی منقطع کر دیا گیا۔

نمی کمرے میں داخل ہوئی۔ بُری طرح ہانپ رہی تھی۔

”وہ..... وہ..... فرش پر اوندھے پڑے ہوئے ہیں۔“ وہ بدقت کہہ سکی۔

حمید نے طویل سانس لے کر ریسور کر ٹیل پر رکھ دیا۔

”چلے..... دیکھئے۔“ وہ حمید کا بازو پکڑ کر دروازے کی طرف کھینچتی ہوئی بولی۔ ”انہیں

نہیں کیا ہو گیا ہے۔ وہ انہیں کی چیخ تھی۔“

حمید برا سامنہ بنائے ہوئے اُس کے ساتھ چلتا رہا۔ وہ خواب گاہ میں آئے۔ راجن
مچ فرش پر اوندھا پڑا ہوا تھا۔

حمید خاموش کھڑا اُسے دیکھتا رہا۔ سانس بدستور چل رہی تھی اور آنکھیں بھی بند تھیں

وہ سوچ رہا تھا کسی طرح تنہائی ملے اور وہ راجن کے کان کے پاس منہ لے جا کر پو

”بڑھے بیٹے اب کیا چکر ہے؟“

دفعۃً وہ نمی کی طرف مڑ کر بولا۔ ”لیکن ابھی تک ڈاکٹر کو فون نہیں کیا جا سکا۔“

”میں خود جا رہی ہوں۔“ نمی نے کہا اور کمرے سے چلی گئی۔ حمید نے دونوں نوکر

بھی باہر جانے کا اشارہ کیا۔

اور تب وہ راجن کے قریب دو زانو بیٹھ کر جھٹکا ہوا آہستہ سے بولا۔ ”یہ سب تو پو

میں شامل نہیں تھا۔ بڑے صاحب۔“

لیکن راجن نے جنبش بھی نہ کی۔ وہ بدستور آنکھیں بند کئے گہری گہری سانسیں

تھا۔

”اب سیدھے ہو جاؤ دوست۔ ورنہ میں سب کچھ شری متی جی سے بتا دوں گا۔“

پھر جھک کر کہا لیکن اس بار بھی راجن پر کوئی اثر نہ ہوا۔

حمید اُسے جھنجھوڑنے لگا۔ مگر نتیجہ صفر۔

اب اُسے تشویش ہوئی۔ تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر مختلف جگہوں پر گد گدا

دیکھا۔ لیکن راجن میں ذرہ برابر بھی تبدیلی نہ ہوئی۔

نمی واپس آ گئی۔ اُس نے بتایا کہ ڈاکٹر کو فون کر دیا گیا ہے۔ وہ دس منٹ کے

پہنچ رہا ہے۔ پھر اُس کی تجویز پر حمید نے راجن کو اٹھا کر دوبارہ مسہری پر ڈال دیا۔

دونوں ملازم بھی کمرے ہی میں موجود تھے۔

”اوہ..... کب آئے گا ڈاکٹر۔“ نمی نے گھڑی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ”بلا کی سردی

ہے۔“

پھر ایک ملازم سے بولی۔ ”تم کافی کے لئے پانی ہی رکھ دو۔“

وہ چلا گیا۔ حمید بھی کافی کی ضرورت محسوس کر رہا تھا۔ نمی نے دوسرے ملازم سے کہا۔ ”تم

پانک پڑا کٹر کا انتظار کرو۔“

وہ بھی چلا گیا۔

کچھ دیر بعد نمی نے حمید سے پوچھا۔ ”آپ پیلا کو جانتے ہیں..... اکثر آپ کا تذکرہ کرتی

رہی ہے۔“

”اوہ..... وہ ریڈیو سکر۔“

”جی ہاں..... بڑے لطیفے سناتی ہے آپ کے۔“

حمید کچھ نہ بولا۔ دیر سے تمباکو کی طلب محسوس کر رہا تھا۔ آخر اُس نے کہا۔ ”اگر میں

یہاں تمباکو.....!“

”شوق سے شوق سے..... مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔“ وہ جلدی سے بولی۔

حمید پائپ میں تمباکو بھرنے لگا۔ ٹھیک اسی وقت ڈاکٹر بھی کمرے میں داخل ہوا۔

حمید نے پائپ پھر جیب میں ڈال لیا۔ ڈاکٹر نے اُس سے ”حالات“ معلوم کئے اور

راجن کا معائنہ کرنے لگا۔ اُس کے دونوں بازو کھول کر رکھے اور تھوڑی دیر بعد سر اٹھا کر بولا۔

”کوئی نشہ آور چیز انجکت کی گئی ہے..... غالباً مارفین۔“

”مارفین.....؟“ حمید کے لہجے میں حیرت تھی۔

”جی ہاں..... اور اُسے بھی زیادہ دیر نہیں گزری۔ لیکن آپ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے

کہ یہ ہشکیت دیر سے طاری ہے۔ دیکھئے..... یہ نشان بالکل تازہ ہے۔“

حمید نے آگے بڑھ کر بائیں بازو پر نشان دیکھا۔ جلد کے نیچے خون کا نقطہ سامنے تھا۔ نشان حقیقتاً تازہ تھا۔ اُس نے سوچا کیا وہ چیخ اس انجکشن سے تعلق رکھتی تھی اور تو کیا؟ فون پر الجھایا گیا تھا۔ کوشش کی گئی تھی کہ راجن کمرے میں تہارہ جائے۔

اب وہ نمی کوشش کی نظر سے دیکھ رہا تھا۔ لیکن اُسے اس کے چہرے پر سراسیمگی ہی آثار نظر آئے۔

”پھر اب کیا ہوگا؟“ وہ ڈاکٹر سے پوچھ رہی تھی۔

”فکر نہ کیجئے..... دل کی حالت بہتر ہے۔ سٹم پر مورفیا کے علاوہ اور کسی قسم کے اثرات کا سراغ نہیں ملتا۔ میرا خیال ہے کہ انہیں اسی طرح سونے دیا جائے خود ہی اٹھیں گے۔ اب حمید کے خیالات کی رو دوسری طرف پلٹی۔ کہیں یہ خود راجن ہی کی حرکت نہ اُس نے سوچا ہوگا کہ ڈاکٹر کے آتے ہی پول کھل جائے گا۔ لہذا کیوں نہ خود ہی مورفیا کا پالے لیا جائے۔ لیکن وہ فون کال؟ اُس فون کال کا مطلب یہی ہو سکتا تھا کہ اس ڈرائے کا پاجامک نہیں بن گیا تھا بلکہ پہلے سے بنایا گیا تھا۔ راجن نے اُن لوگوں کو کمرے سے ہٹا۔ تدبیر پہلے ہی سے کر رکھی تھی۔ اُسی کے کسی گر گئے نے فون کیا تھا۔ لیکن کیوں؟ کیا یہ ما خود اُسی کے خلاف تھی؟

اُس کے خلاف تھی تو..... کیوں؟ کس قسم کی سازش ہے۔ سازش کرنے والے کیا جا ہیں۔

ڈاکٹر چلا گیا تھا۔ حمید خیالات میں کھویا رہا۔ تھوڑی دیر بعد کافی آ گئی۔

”میں آپ کی شکر گزار ہوں کیپٹن..... پتہ نہیں ان کے ساتھ کیسا حادثہ پیش آیا۔ نمی نے کافی کی پیالی حمید کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ پھر نوکروں سے بولی۔ ”تم لوگ کافی پیو..... بہت سردی ہے۔ چکیدار کے لئے بھی بکھو ادیتا۔“

”اب مجھے تو ساری رات جاگنا ہی ہے۔ اُوہ..... ہاں ڈرائیور کہاں ہے۔ اُس کم؟ کے کان پر توجوں بھی نہ رہیں گی۔ اُسے جگا لاؤ۔ صاحب کو لے جانا ہے۔“

حمید نے شکر یہ ادا کر کے پیالی اُس کے ہاتھ سے لی لیکن اُس وقت گھونٹ نہیں لیا جب ہی وہ خود نہیں پینے لگی تھی۔ حمید نے پہلا گھونٹ لے کر پاپ سلگایا اور کافی کے ساتھ ہلکے ہلکے کھٹک لیتا رہا۔

بڑی بڑی خوابناک آنکھیں..... بیضوی چہرہ..... ایک شریر سی لٹ پیشانی پر بل کھاتی ہوئی سی..... اور..... اور..... پھر حمید کو ایسا معلوم ہوا جیسے اُن آنکھوں سے شراب چھلکی ہو اور اُس کی اپنی آنکھوں کے توسط سے رگ رگ میں پھیلتی چلی گئی ہو۔

مگر..... یہ کیا.....؟ وہ چونک تو پڑا لیکن پے بہ پے یلغار کرتی ہوئی نیند کے جال سے نہ نکل سکا۔ بڑی دشواری سے خالی کپ تپائی پر رکھا تھا..... اور اور کرسی کی پشت سے ٹیک لگاتے ہی گہری نیند سو گیا تھا۔

ستارے کا قتل

جب دوبارہ آنکھ کھلی تو اُسے اچھی طرح یاد تھا کہ کرسی پر بیٹھے بیٹھے ہی نیند آ گئی تھی۔ اُنک کچھ اور صاف ہونے پر احساس ہوا کہ وہ اب بھی اُسی کرسی میں نیم دراز ہے۔ سامنے والی کرسی پر نمی آنکھیں بند کئے پڑی تھی۔

اُس نے سیدھا ہونا چاہا اور کمر کے قریب ریڑھ کی ہڈی درد سے پھٹنے لگی۔ بھٹک تھ کر بیٹھ سکا..... سر جھائیں جھائیں کر رہا تھا۔ میز پر رکھی ہوئی ٹائم پیس پر نظر پڑا۔ ساڑھے چھ بجے تھے۔

دفعتاً اُس نے راجن کی آواز سنی اور چونک پڑا۔ وہ پیر لٹکائے مسہری پر بیٹھا تھا۔

اُس نے مسکراتے ہوئے حمید کو آنکھ ماری اور گرج کر بولا۔ ”تم کون ہو؟“ آواز اتنی ہی بلند تھی کہ نمی کی آنکھیں بھی کھل گئیں اور وہ ہڑبڑا کر سیدھی بیٹھ گئی۔

کبھی وہ حمید کی طرف دیکھتی اور کبھی راجن کی طرف۔ شاید ابھی ذہن پر غنودگی تھی۔

”یہ کون ہے؟“ راجن نے اُسی لہجے میں غمی سے پوچھا۔

”یہ..... کیپٹن حمید۔“ غمی ہٹکائی۔ ”حکمہ سراغ رسانی کے آفیسر۔“

”حکمہ سراغ رسانی..... کیوں؟“ وہ اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

”بیٹھ جائے..... بیٹھ جائے۔“ وہ مضطربانہ انداز میں ہاتھ ہلا کر بولی۔

”آپ کمزوری محسوس کر رہے ہوں گے۔“

”کیسی کمزوری..... تم کیا کہہ رہی ہو۔“

”اوہو..... ایک منٹ خاموش رہ کر پہلے پوری بات تو سن لیجئے۔“

”سناؤ.....!“ اُس کا لہجہ غصیلا تھا؟

”پہلے ایک سوال کا جواب دیجئے۔“

”اب کوئی سوال بھی آکودا؟“ وہ چھاڑ کھانے کے انداز میں بولا۔

”آپ پچھلی رات گھر کیسے واپس آئے تھے۔“

”پپ..... پچھلی رات..... ٹھہرو..... مجھے..... سوچنے دو۔“

وہ خاموش ہو کر یادداشت پر زور دینے کی ایکٹنگ کرنے لگا۔ پھر تھوڑی دیر بعد

ہوئی آواز میں بولا۔ ”وہ..... دیکھو..... دراصل..... مجھے یاد نہیں پڑتا۔ ٹھہرو..... ہاں۔“

گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا دفعتاً میری کپٹیاں درد سے پھٹنے لگی تھیں۔ آنکھوں کے سامنے اندہ

گیا تھا۔

”میں نے گاڑی سڑک کے کنارے روک دی تھی۔ سارے جسم سے ٹھنڈا ٹھنڈا

چھوٹ رہا تھا۔ پھر مجھے کچھ یاد نہیں کہ کیا ہوا تھا۔“

”یہی صاحب آپ کو گھرا لائے تھے..... آپ بیہوش تھے۔“ غمی نے کہا۔

”اوہ.....“ وہ حمید کو حیرت سے دیکھتا ہوا بولا۔ ”میں معافی چاہتا ہوں جناب۔“

”اب طبیعت کیسی ہے۔“ حمید نے طوعاً و کرہاً پوچھا۔

”جی..... بس..... اب تو بالکل ٹھیک ہوں۔ یقین کیجئے اس سے پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا۔“

”میرا خیال ہے کہ یہ کوئی جھوٹ کی بیماری ہے۔“ حمید بیزاری سے بولا۔

”کیوں؟ کیوں؟..... آپ کیسے کہہ سکتے ہیں۔“

”مجھے ہی دیکھ لیجئے۔“ حمید نے سینے پر ہاتھ مار کر کہا۔ ”آپ کو گھر پہنچا کر واپسی کے

مغلق سوچ ہی رہا تھا کہ اسی کرسی پر نیند آگئی۔“

”واقعی سمجھ میں نہیں آتا..... مجھے بھی حیرت ہے۔“ غمی بولی۔ ”میری بھی کچھ یہی حالت

ہوئی تھی۔ آپ کی واپسی کا انتظار کرنے کے لئے اٹھنے ہی والی تھی کہ غشی کی سی طرح نیند طاری

ہو گئی تھی۔“

”مذاق کر رہے ہیں آپ لوگ؟“ راجن نے خوفزدہ لہجے میں کہا۔

”صاحب..... میں سوچ رہا ہوں کہ اپنے چیف کو کیا جواب دوں گا۔“ حمید متفکرانہ لہجے

میں بولا۔ ”وہ میری بات پر کس طرح یقین کرے گا۔“

کوئی کچھ نہ بولا۔ تھوڑی دیر بعد غمی نے پوچھا۔ ”اوہ تو کیا آپ کی غیر حاضری آپ کو کسی

ذمہ داری میں مبتلا کر دے گی۔“

”یقیناً..... پچھلی رات میں ڈیوٹی پر تھا۔ جہاں مجھے ہونا چاہئے تھا وہاں میری عدم

موجودگی میرے محکمے کو ہرگز پسند نہ آئے گی۔“

”مجھے بے حد افسوس ہے کیپٹن۔ بتائیے ہم آپ کیلئے کیا کر سکتے ہیں۔“ غمی نے پوچھا۔

”کوئی کچھ بھی نہیں کر سکتا۔“ حمید نے ٹھنڈی سانس لی۔ ”کنٹرل فریدی ایک ناقابل عبور

محرک کا نام ہے۔“

”پھر اب کیا ہوگا.....!“ راجن نے پوچھا۔

”کچھ بھی نہیں..... دیکھا جائے گا.....؟“

”جہاں کہئے..... آپ کو چھوڑ آؤں؟“

”ارے بھی! وہ معائنہ کرتا..... اور کچی بات بتا دیتا۔“

”اُس نے بتایا تھا کہ آپ کو مورفیا کا انجکشن دیا گیا ہے۔“

”مگر یار..... یہ تو بتاؤ..... تم نے اتنی جلدی سرنج اور مورفیا کا انجکشن کہاں سے مہیا کر لئے

تھے۔ میرے گھر میں تو یہ دونوں چیزیں نہیں تھیں۔“

”میں نے مہیا کر لئے تھے۔“ حمید نے حیرت سے پوچھا۔

”پھر.....؟“

”میرے فرشتوں کو بھی علم نہیں کہ کب ہوا تھا۔“

”کیوں مذاق کرتے ہو۔“

”اپنی شری متی جی سے پوچھ لیجئے گا۔ میں تو اُس وقت اُن کے ساتھ فون والے کمرے

میں تھا۔ کوئی فون پر انہیں اور آپ کے خاندان والوں کو گالیاں دے رہا تھا۔“

”یار کیوں بور کرتے ہو۔“

”انہیں سے تصدیق کر لیجئے گا..... بہر حال ہم آپ کی چیخ سن کر پھر اُس کمرے میں

آئے تھے..... اور آپ کو مسہری کے نیچے پڑا دیکھا تھا۔ آپ اُس وقت ہتھکتا بیہوش تھے۔“

”کیا تم سچ کہہ رہے ہو۔“

”بس ختم کیجئے۔“ حمید بیزاری سے بولا۔ ”یہ نہیں کیا چکر تھا۔ پھر کافی پیتے ہی مجھے بھی

نیند آگئی تھی۔ میرا دعوئی ہے کہ کافی میں کوئی خواب آور چیز شامل تھی۔“

”یہ کیا چکر ہے۔“ راجن بوکھلائے ہوئے لہجے میں بولا۔ ”میں تو سمجھا تھا کہ انجکشن تم

نے ہی دیا تھا۔“

”اپ نے میری شکل دیکھی تھی؟“

”نہیں..... تم نے میرے منہ پر شائد تولیہ ڈال کر دبا لیا تھا۔ اسی لئے تو مجھے غصہ آیا تھا

کہ آخر اس کی کیا ضرورت تھی۔ بس کہہ دیتے چپ چاپ انجکشن لگوا لیتا۔ کیونکہ اُس وقت اسی

”نہیں اب ناشتہ کر کے جائیں گے۔“ نئی بولی۔

”نہیں محترمہ..... اس پر مجبور نہ کیجئے۔ ورنہ رات کا کھانا بھی کھانا پڑے گا۔“ حمید نے

مردہ سی آواز میں کہا۔

راجن ہنس پڑا۔ اُس کے دوبارہ استفسار پر حمید نے کہا۔ ”اب گھر ہی جاؤں گا۔“

ناشتے کی زحمت نہ کیجئے گا۔“

”اچھی بات ہے۔“ نئی بولی۔ ”پھر سہی۔ مجھے اُمید ہے کہ یہ ملاقات دوستانہ تعلق کی بنیاد

بنے گی۔“

”ضرور..... ضرور.....!“ حمید نے اخلاقیات دانستہ نکال دیئے۔

اُجالا پھیل رہا تھا۔ خنکی معمول سے زیادہ محسوس ہو رہی تھی۔

اس وقت بھی راجن ہی کارڈ رائیو کر رہا تھا۔ نئی کی رائے تھی کہ حمید کو ڈرائیور ہی پڑ

دے گا وہ خود آرام کرے۔ لیکن راجن اس پر متفق نہیں ہوا تھا۔

”کمال کے آدمی ہو یار.....!“ راجن بولا۔

”قبل اس کے کہ میں جناب کے بارے میں یہی رائے ظاہر کرتا..... جناب مجھے

کانٹوں پر گھسیٹنا شروع کر دیا۔“

”نہیں واقعی دل سے تمہاری ذہانت کا معترف ہوں۔ ویسے پہلے تو بے حد غصہ آیا تھا۔“

”کس بات پر۔“

”میں کہتا ہوں..... مجھے بے بس کر دینے کی کیا ضرورت تھی۔ ویسے ہی کہتے تو میں فو

ہی اس پر تیار ہو جاتا۔“

”میں کچھ نہیں سمجھا۔“

”انجکشن والا معاملہ۔“

”جی.....!“

”ہاں بھی۔ بس تمہیں بھی سوچھ ہی گئی ورنہ ڈاکٹر کے آجانے کے بعد پول کھل ہی جاتی۔“

کی ضرورت تھی۔“

”آپ آنکھیں بند کئے لیٹے تھے۔“

”ہاں اور الجھن میں مبتلا تھا کہ ڈاکٹر کے آنے کے بعد کیا ہوگا۔“

”آپ خود سوچئے کہ میں آپ کے منہ پر تولیہ کیوں ڈالتا..... خیر اگر آپ یہ سمجھئے میں ہی ہوں تو اتنے زور سے چیخنے کی کیا ضرورت تھی۔“

”بھئی..... نہیں ضبط کر سکا تھا۔ بازو میں سرخ سے محلول نہیں داخل ہوا تھا بلکہ رانگہ گولی تھی۔ پتہ نہیں کتنی قسم کے انجکشن لئے ہوں گے لیکن ایسی جان لیوا تکلیف کبھی نہیں ہوئی۔“

”تب تو..... وہ مورفیا کی بجائے کچھ اور ہوگا۔ مورفیا میں تکلیف ہوتی ہے لیکن غیر نہیں۔“

”تم واقعی سنجیدہ ہو۔“

”راجن صاحب! آپ مجھے بور نہ کیجئے ورنہ چلتی گاڑی سے چھلانگ لگا دوں گا۔“

”تم نے مجھے الجھن میں مبتلا کر دیا ہے۔“

”ہمیں فون والے کمرے میں جانے پر مجبور کیا گیا تھا..... آپ کی دانت میں وہا

ہو سکتا ہے۔“ حمید نے پوچھا۔

”کاش مجھے معلوم ہوتا۔“ راجن نے غصیلی آواز میں کہا۔

”مقصد کیا ہو سکتا ہے۔“

”میں کیا جانوں.....!“ وہ پھر غرایا۔

حمید اُسے ہتھکیوں سے دیکھ رہا تھا۔ سچ جج راجن غصے میں معلوم ہوتا تھا اور اس غصے۔

اُس کا حلیہ بھی بگاڑ کر رکھ دیا تھا۔

کچھ دیر بعد حمید بولا۔ ”غالباً شام تک میں آپ کی خیریت دریافت کرنے آؤں۔“

”جی نہیں۔“ وہ غرایا۔ ”قطعاً ضروری نہیں۔“

”آپ کی مرضی.....!“ حمید نے بھی ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

پھر وہ خاموشی سے راستہ طے کرتے رہے۔ راجن سچ جج غصے میں معلوم ہوتا تھا..... حمید کو اس میں ایکٹنگ کا شائبہ بھی محسوس نہ ہوا۔ وہ سوچ رہا تھا اگر راجن اس سازش میں شریک نہیں تھا تو کیا یہ سب کچھ اُس کے خلاف بھی ہو سکتا تھا؟ اُس کی فکر آمیز جھنجھلاہٹ تو یہی کہہ رہی تھی۔ وہ سوچتا رہا اور خواب آور کافی یاد آئی۔ لیکن نمی تو پھر ایک پل کے لئے بھی باہر نہیں نکلی تھی۔ تو پھر کیا وہ اُس ملازم کی حرکت تھی جس سے اُس نے کافی کے لئے کہا تھا۔

”راجن صاحب۔“ دفعتاً وہ بولا۔ ”آپ کا فون مطلب یہ کہ کیا ایک ہی انسٹرومنٹ ہے آپ کے یہاں۔“

”کیوں.....؟ دو ہیں۔“

”دوسرا کہاں ہے۔“

”ایک ڈرائینگ میں ہے اور ایک لائبریری میں۔“

”دوا الگ الگ لائیں ہیں۔“

”نہیں..... ایک ہی ہے۔“

”تب تو ایک انسٹرومنٹ پر وہی نمبر ڈائیل کر کے کوئی بھی دوسرے انسٹرومنٹ کے ذریعہ پور کر سکتا ہے۔“

”میرا خیال ہے کہ ہمیں آپ کی خواب گاہ سے ہٹانے کے لئے لائبریری ہی والا انسٹرومنٹ استعمال کیا گیا تھا؟“

”مگر کس نے کیا؟“

”یہ آپ سوچئے..... مجھے کیا معلوم کہ آپ کے یہاں کتنے افراد ہیں۔“

”میں نمی..... ایک ملازم..... ایک باورچی۔ ایک چوکیدار اور ایک ڈرائیور.....!“

”کوئی مہمان بھی ہے آج کل.....؟“

”نہیں۔“

مرحہ دبا یا تھا کہ آنکھیں کھل ہی نہ سکیں۔“

”کچھ بھی ہو..... یہ کسی بڑی سازش کا پیش خیمہ معلوم ہوتا ہے۔“

”بہر حال اب تو حماقت ہو ہی گئی ہے۔ بھگتوں گا..... کاش یہ دیباغ چاٹنے والی بیویاں
نجیگی سے کبھی کچھ سوچ سکتیں۔ اگر مجھ پر کوئی مصیبت نازل ہوئی تو اس کی سو فیصد ذمہ دار
بری بیوی ہی ہوگی۔ مجھے اُس کے کردار پر بھی شبہ نہیں..... اس کی وفاداری پر بھی شک نہیں کیا
جاسکتا۔ لیکن یہ بھڑک اٹھنے والی عادت..... خدا غارت کرے۔“

گاڑی فریدی کی کونٹھی کے پھانک پر رک گئی۔

”بیٹھے گا کچھ دیر.....!“ حید نے کہا۔

”نہیں..... لیکن اگر واقعی یہ کوئی سازش ہی ہے تو شاید مجھے پھر دوڑ کر آنا پڑے۔“

حید کچھ نہ بولا۔ گاڑی سے اتر کر پھانک میں داخل ہو گیا۔ مڑ کر یہ بھی نہیں دیکھا کہ اُس
نے کب گاڑی موڑی۔

برآمدے ہی میں ایک ملازم نے اطلاع دی کہ فریدی کی کال آئی تھی۔ وہ چار بجے صبح
کھیں گیا تھا۔

مزید استفسار پر اُس نے بتایا کہ پیڈ پر نمبر لکھ لئے گئے ہیں..... وہ انہیں نمبروں پر فریدی
سے گفتگو کر سکے گا۔

اور پھر کچھ دیر بعد فون پر فریدی کی آواز سن رہا تھا۔ ”میں ناردرن اسٹوڈیوز سے بول رہا
ہوں۔ آشا کو کسی نے بڑی بے دردی سے قتل کر دیا ہے۔ تم کتنی دیر میں پہنچ سکو گے۔“

زخمی

قل بھی درندگی کا شاہکار ہی تھا۔ چہرے سے اس طرح گوشت نوچا گیا تھا جیسے کسی

”ہو سکتا ہے آپ کی عدم موجودگی میں کوئی آ ہی گیا ہو۔“

”تم کہنا کیا چاہتے ہو؟“

”اب یہ بھی بتانے کی ضرورت ہے؟“

”ہرگز نہیں۔ میں نمی کے کردار پر شبہ نہیں کر سکتا۔“

”پھر آپ کو غصہ کس بات پر آ رہا ہے۔“

”اپنی حماقتوں پر..... پچھلی رات میں نے جو کچھ بھی کیا کوئی بھی ہوش مند آدمی اُسے
پسند نہیں کرے گا۔ بھلا کیا لغویت تھی۔ بیوی کی بکواس سے بچنے کیلئے میں ایسی گھنیا حرکت کر بیٹھا۔“
”لیکن مجھے تو ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے آپ نے یہ سب کچھ ایک بنے بنائے پلان کے
تحت کیا ہو۔ ورنہ موفیا کا نجشن کیا مقصد رکھتا تھا اور پھر آپ نے اس ڈرامے کے لئے عمر
سراغ رسانی ہی کے ایک آفسر کا انتخاب کیوں فرمایا۔ مجھ جیسے درجنوں گدھے اُس وقت آ رہے
میں موجود تھے۔“

”اب تم مجھے ہی گھبرانے کی کوشش کر رہے ہو۔ کیوں؟“ وہ غرایا۔

”حالات مسٹر راجن..... حالات! کسی تیسرے آدمی کے سامنے یہ معاملات رکھ دیئے
جائیں۔ پھر دیکھئے وہ کیا فیصلہ دیتا ہے۔“

راجن کچھ نہ بولا۔ جھنجھلاہٹ کے آثار چہرے سے غائب ہو چکے تھے اور اُن کی جگہ
تشویش نے لے لی تھی۔ کچھ دیر بعد بھرائی ہوئی آواز میں اُس نے کہا۔ ”ٹھیک کہتے ہو.....
لیکن یقین کرو میں نہیں جانتا کہ یہ کیا چکر ہے۔“

”فون پر مجھ سے ہولڈ کرنے کو کہا گیا تھا۔ ہم سب ڈرائنگ روم میں تھے۔ اگر وہ گالیاں
نہ دیتا تو کم از کم میں تو آپ کے پاس ہی موجود ہوتا۔ گالیاں اسی لئے دی گئی تھیں۔ تجسّم
سحوں کو ڈرائنگ روم میں کھینچ لئے گیا تھا۔ بہر حال میں ریسپور ہاتھ میں لئے اُس کے دوسری
بار بولنے کا منتظر رہا اور وہ اس عرصہ میں آپ کے مورفیا انجکٹ کر گیا۔“

”یقین کرو! اُس نے اپنی شکل دیکھنے کی مہلت ہی نہیں دی تھی۔ منہ پر تولیا ڈال کر اس

بھوکے درندے نے اپنے تیز اور نکیلے دانت آزمائے ہوں۔ زرخرے پر بھی دانتوں کے نشان تھے اور وہ کسی درندے ہی کا پھاڑا ہوا معلوم ہوتا تھا۔

یہ تھا ملک کی مقبول ترین ہیروئن کا انجام۔

لاش اسٹوڈیو کے عقبی پارک میں پائی گئی تھی۔ حمید سوچ رہا تھا آخر فریدی اُسے قتل کیوں سمجھ رہا ہے۔ ہو سکتا ہے کوئی بھولا بھٹکا درندہ ادھر آ نکلا ہو۔ کیونکہ تھوڑے ہی فاصلے پر جنگلات کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔

لیکن سوال یہ تھا کہ وہ عقبی پارک تک کیسے پہنچی تھی جب کہ اُس کی نانی کا بیان تھا کہ وہ دونوں میک اپ روم کی دونوں کرسیوں پر سوئی ہوئی تھیں..... کسی نے آشا کو میک اپ روم سے نکل کر ادھر جاتے بھی نہیں دیکھا تھا۔

فریدی نے ابھی تک آشا کی نانی کا بیان نہیں لیا تھا۔ اُس کی حالت ابتر تھی۔ بدحواس ہو رہی تھی۔ کسی بات کا ڈھنگ سے جواب پالینا ایسی حالت میں تو ناممکن تھا۔ حمید نے اسٹوڈیو کی کینٹین میں ناشتہ کیا اور پھر وہیں آپہنچا جہاں فریدی اسٹوڈیو کے دوسرے لوگوں سے پوچھ گچھ کر رہا تھا۔

کچھ دیر بعد آشا کی نانی بھی وہیں لائی گئی..... وہ خاموش ہو چکی تھی، لیکن آنکھوں کی ویرانی سے صاف پتہ چلتا تھا کہ ذہن کچھ سوچنے سمجھنے سے قاصر ہے۔ بہر حال فریدی نے اُس سے بھی معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی۔

”اب کیا ہوگا.....؟“ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ ”کچھ بھی ہوا ہو۔ وہ تو اب اس دنیا میں نہیں..... ارے ٹھنڈک پڑ گئی حاسدوں کے کلیجے میں۔“ اور پھر وہ کراہنے لگی۔

”میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں محترمہ کہ جب رات والی شوٹنگ سے آپ لوگوں کا کوئی تعلق نہیں تھا تو آپ آئی کیوں تھیں۔“

”اب وہ حرامزادے یہ کہہ رہے ہیں..... رات بھی ہی کہہ دیا تھا..... اگر شوٹنگ کی اطلاع اُسے نہ ملی ہوتی تو آتی کیوں؟“

”ڈائریکٹر کا کہنا ہے کہ اُس کی طرف سے ایسی کوئی اطلاع نہیں بھیجی گئی تھی۔“

”کیا آپ کو فون پر اطلاع ملی تھی۔“

”نہیں کوئی کیا تھا..... آشا نے نام نہیں بتایا تھا۔“

”کیا آپ کے گھر کا کوئی فرد بھی اُس اطلاع دینے والے کے متعلق کچھ نہ بتا سکے گا۔“

”میں نہیں جانتی۔“

”وہ آپ کے باڈی گارڈز کہاں ہیں۔“

”مجھے ہوش نہیں۔“ بڑھیا نے کہا۔

لیکن حمید انہیں کینٹین میں بیٹھے دیکھ آیا تھا اور محض اس لئے ان سے کسی قسم کی گفتگو نہیں لانی کہیں فریدی کے نقطہ نظر سے یہ رویہ غلط نہ ہو۔

”میں نے انہیں ابھی کینٹین میں دیکھا تھا۔“ حمید بولا۔

”دیکھو.....!“ فریدی نے دروازے کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

وہ اب بھی کینٹین ہی میں تھے۔ حمید کے ساتھ وہاں آئے۔ فریدی نے صرف ایک کوانڈر ڈالا۔

”وہ کون تھا جس نے رات کی شوٹنگ کی اطلاع دی تھی۔“ فریدی نے اُس سے پوچھا۔

”مجھے پتہ نہیں جناب۔ میں تو سوتے سے اٹھایا گیا تھا کہ اسٹوڈیو چلنا ہے۔“

”کس وقت سوئے تھے۔“

”اٹھ بجے۔“

”روزانہ اسی وقت سوتے ہو۔“

”جب کہیں جانا نہیں ہوتا تو جلدی ہی سو جاتا ہوں۔“

”ہوں.....!“ فریدی اُس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ ”پچھلی رات تم ان کے ساتھ ٹیما تھا رہے ہو گے۔“

”جی ہاں.....! مطلب یہ کہ..... یہ جہاں بھی گئیں..... ہم باہر موجود رہے۔“

”تمہیں علم تھا کہ وہ میک اپ میں سو رہی ہیں۔“

”ہم میک اپ روم کے باہر موجود رہے تھے۔“

”میرے سوال کا جواب دو۔ کیا تمہیں علم تھا کہ وہ دونوں سو رہی ہیں۔“

”ہم سے اس کے بارے میں کچھ کہا نہیں گیا تھا۔“

”اس لئے تم اُس وقت تک میک اپ روم کے دروازے ہی پر بیٹھے رہے تھے جب تک تیمہاری مالکہ بیدار نہیں ہوئی تھی۔“

”جی..... بات دراصل یہ ہے کہ ہم ذرا کینٹین تک چائے پینے بھی گئے تھے۔“

”میرا خیال ہے کہ اس کے لئے تمہیں اجازت کی ضرورت نہیں تھی..... یا تھی؟“

”اجازت ہی لینے کے لئے میک اپ روم میں گیا تھا۔ لیکن دونوں سو رہی تھیں۔“

”ہوں..... اور واپسی کتنی دیر بعد ہوئی تھی۔“

”جلد ہی جناب..... یعنی چائے پی کر ہم واپس آ گئے تھے۔“

”اور پھر تمہاری مالکہ نے اچانک تمہیں بتایا تھا کہ آشا میک اپ روم میں نہیں ہے۔“

”جی ہاں وہ بوکھلائی ہوئی باہر آئی تھیں اور بتایا تھا کہ آشا دیوی وہاں نہیں ہیں۔“

”کیا وقت رہا ہوگا جب تم کینٹین میں گئے تھے۔“

”میں نے گھڑی نہیں دیکھی تھی جناب..... لیکن اندازے کے مطابق ایک ضروری بجا رہا

”ہوگا۔“

”ہوں.....!“ فریدی خاموش ہو گیا۔ پھر دوسرے کو طلب کیا۔ اُس سے بھی کچھ ایسے ہی

سوالات کئے پھر سارجنٹ رمیش کی طرف دیکھ کر بولا۔ ”ریٹا مون.....!“

رمیش چلا گیا اور کچھ دیر بعد ایک متوسط عمر کی عورت کے ساتھ واپس آیا۔

فریدی نے ہاتھ اٹھا کر کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ وہ شکر یہ ادا کر کے بیٹھ گئی۔

”آپ ریٹا مون ہیں۔“

”جی ہاں.....!“

”میک اپ میں آپ کا تجربہ کتنا پرانا ہے۔“

”قریب قریب پندرہ سال ہے میں یہی کرتی آئی ہوں۔“

”جس وقت یہ دونوں میک اپ روم میں داخل ہوئی تھیں آپ وہیں موجود تھیں۔“

”جی ہاں.....!“

”آپ نے اُن سے کہا تھا کہ وہ وہاں سو رہیں۔“

”جی نہیں، میں نے یہ پیش کش نہیں کی تھی۔ دراصل دونوں کے درمیان اس بات پر

بحث جاری تھی کہ واپس کیوں نہ چلی جائیں۔“

”واپس نہ جانے پر کون بضد تھا۔“

”مس آشا..... وہ کہہ رہی تھیں واپس جانے کا موڈ نہیں۔ یہیں کہیں سو رہیں گے۔“

”یہ بات بھی بحث کے دوران میں واضح ہو ہی گئی ہوگی وہ کیوں نہیں واپس جانا چاہتی

”میں۔“

”نہیں جناب۔ میرا خیال ہے کہ ایسی کوئی بات میں نے نہیں سنی تھی۔“

”آپ کتنی دیر تک وہاں رہی تھیں۔“

”انہیں بحث میں الجھی چھوڑ کر ہی چلی گئی تھی۔ ساتھ ہی یہ بھی کہتی گئی تھی کہ اگر وہ وہاں

”ناچائیں تو آرام کرسیاں خاصی آڑام دے ثابت ہوں گی۔“

”اندازاً کیا وقت رہا ہوگا۔ جب آپ میک اپ روم سے گئی تھیں۔“

”میرا خیال ہے بارہ بج چکے تھے۔“

”پھر کتنی دیر بعد واپس ہوئی تھی؟“

”اندازہ شکل ہی ہے کیونکہ میں بھی ایک دوسرے کمرے میں سو ہی گئی تھی۔ پھر ایک

ضرورت کے تحت مجھے جگایا گیا تھا اور مجھے بعض ضروری چیزوں کے لئے میک اپ روم میں

واپس جانا پڑا تھا۔ لیکن مجھے وہاں صرف مس آشا کی ثانی ہی نظر آئی تھیں۔ مجھے حیرت ہوئی تھی

کیونکہ آشا پر اُن کی طرف سے عائد شدہ پابندیاں اس کی اجازت نہیں دیتی تھیں۔ میں نے

سوچا شاید وہ اپنے کسی بوائے فرینڈ کے ساتھ کہیں آس پاس ہی موجود ہوں گی..... لہذا کچھ کی تفریح کے خیال سے میں نے نانی کو جگا دیا تھا اور پوچھا تھا کہ مس آشا کہاں گئیں۔
”ہوں..... اچھا تو جس وقت آپ میک اپ روم میں پہنچی تھیں وہاں ان کے بازو گارڈز بھی موجود رہے ہوں گے۔“

”میرا خیال ہے کہ وہ برآمدے والی بنیوں پر لیٹے ہوئے تھے۔“

”آپ یقین کے ساتھ کہہ سکتی ہیں۔“

”جی نہیں..... یقین کے ساتھ تو نہیں کہہ سکتی۔ دراصل میں نے اس کی طرف دھیان نہیں دیا تھا۔ لیکن جب نانی نے باہر نکل کر مس آشا کو آوازیں دیں تھیں تو میں نے انہیں اپنے باڈی گارڈز کو برا بھلا کہتے بھی سنا تھا۔“

”کیا اکثر لوگ میک اپ روم میں سویا کرتے ہیں۔“

”جی نہیں..... وہ تو میں نے ان دونوں کا جھگڑا ختم کرانے کے لئے کہہ دیا تھا..... اور پھر وہ کچ مج و ہیں سو گئی تھیں۔“

”میرا خیال ہے اکثر لوگ وہیں سو رہنے کی خواہش کرتے ہوں گے..... کیوں؟ شاید“

”کرہ ایئر کنڈیشنڈ ہے۔“

”جی ہاں..... لیکن میں اس معاملے میں سخت ہوں۔“

”اچھا شکریہ..... اگر ضرورت سمجھی گئی تو پھر آپ کو تکلیف دی جائے گی۔“

پھر قبل اس کے فریدی کسی دوسرے کو طلب کرتا حمید کمرے سے باہر آ گیا تھا۔ اس سے پہلے بھی وہ کچھ لوگوں کے بیانات سن چکا تھا۔ اس لئے اب وہ خود ہی کڑیاں ملا کر پوری کہانی ترتیب دے سکتا تھا۔

پچھلی رات ساڑھے دس بجے آشانے اپنی نانی کو بتایا تھا کہ شوٹنگ کے لئے ڈائریکٹر کا پیغام آیا تھا..... ان دنوں ناردن اسٹوڈیوز میں کئی فلمیں زیر تکمیل تھیں۔ اس لئے بعض اوقات ایسا بھی ہوتا تھا کہ بہت سی تھوڑی مہلت پر اداکاروں کو شوٹنگ کے لئے تیار رہنا پڑتا تھا۔ لہذا

ای نانی ایسی صورت میں قطعی یہ نہیں سوچ سکتی تھی کہ پیغام اصلیت پر مبنی نہ ہوگا۔ آشانے سے ٹاپا اس شخص کے متعلق کچھ نہیں بتایا تھا جس کے ذریعے ڈائریکٹر کا پیغام اُس تک

نہا۔ پھر اسٹوڈیو پہنچ کر معلوم ہوا کہ انہیں اس قسم کا کوئی پیغام نہیں بھیجا گیا تھا۔ اصولاً اس

برائے نہیں گھر واپس آ جانا چاہئے تھا لیکن ایسا نہیں ہوا۔

آشا وہیں رات بسر کرنے پر تل گئی تھی۔ وجہ کچھ رہی ہو لیکن وہ یہی کہتی رہی تھی۔ اس

واپسی کا موڈ نہیں ہے۔ آشا کی نانی نے بات بڑھانا اس لئے مناسب نہیں سمجھا تھا کہ

ہی وہاں اُس کا کافی مذاق اڑاتا رہتا تھا۔ اس نے سوچا ہوگا کہ اگر بات بڑھی تو دو چار

ہو جائیں گے اور پھر سوائے شرمندگی کے کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔ بہر حال وہ میک اپ روم

درسیوں پر سو گئی تھیں۔ اُن کے دونوں باڈی گارڈز باہر ہی ٹھہرے تھے۔ پھر وہ کچھ دیر

لے کینین بھی گئے تھے۔ واپسی پر انہیں کوئی غیر معمولی بات محسوس نہیں ہوئی تھی۔ پھر میک

اپن کی انچارج مس ریٹا مون آئی تھی اور اُس نے صرف آشا کی نانی کو سوتا پایا تھا۔ آشا

آرام کر رہی خالی تھی اور اُس نے محض تفریح کی خاطر آشا کی نانی کو جگا دیا اور اُس کی

انہوں سے لطف اندوز ہوتی رہی تھی۔ پھر اسٹوڈیو کا گوشہ گوشہ چھان مارا گیا تھا لیکن آشا

مالی تھی عمارت کے بعد آس پاس کی کھلی جگہیں بھی دیکھیں گئی تھیں اور پھر عقبی پارک میں

ایک لاش ملی تھی۔

حمید سوچ رہا تھا کہ حقیقتاً اُسے کسی نے ڈائریکٹر کی طرف سے کوئی پیغام پہنچایا تھا۔ یا وہ

اس وقت اسی بہانے سے اسٹوڈیو تک آنا چاہتی تھی۔

اُس نے آشا کو بہت قریب سے بھی دیکھا تھا اور کسی حد تک اُس کی نفسیات کو بھی سمجھنے کا

ٹرائے تھا۔

اس سے پہلے وہ ایک بار ایڈوکیٹر کی خاطر اُس کے ساتھ بھی تو فرار ہو چکی تھی۔ وہ سوچتا

راہ اس کے اسرار کی کو گھورتا رہا جو خود بھی کبھی کبھی اُسے گھورنے لگتی تھی۔ قبول صورت اور صحت

تھی۔ عمر بھی بیس سال سے زیادہ نہ رہی ہوگی۔ جوڑی دار پا جائے اور چست جبر میں تھی۔

بال گنبد کی شکل میں الجھائے تھے۔ (بھلا ایسے میں سنوارنا کیوں کہئے) بہر حال ٹائپ ونا جسے حمید کی زبان میں ”ایریل دار“ کہتے تھے۔

ایریل دار لڑکیاں اُسے اب پسند آنے لگی تھیں۔ محض اس لئے کہ اُن میں سے بعض چوڑی دار پاجامے پہنے شروع کر دیئے تھے ورنہ تنگ موری والی شلوار تو اُسے ایک آگے نہ بڑھتی۔ اکثر جھنجھلاہٹ میں کہہ اٹھتا ”ارے بھی..... ذرا ان صاحبزادی کو بھی دیکھنا جو اوپر شیطان اور نیچے سے بالکل مولوی معلوم ہوتی ہیں۔“

اس لڑکی کے چہرے پر شب بیداری کے آثار شدت سے نمایاں تھے اور کسی قدر جھنجھلاہٹ میں بھی مبتلا تھی۔ اس لئے کہ نائٹ شفٹ سے تعلق رکھنے والوں کو ابھی تک روکے رکھا گیا اور یہاں اس وقت فریدی کے علاوہ کئی بڑے آفیسر بھی موجود تھے۔

خود حمید نے ابھی تک لاش نہیں دیکھی تھی اور دیکھنا بھی کب چاہتا تھا؟ کسی خوبصورت عورت کی لاش اُس کے خیال میں فریدی ہی جیسے لوگ برداشت کر سکتے تھے۔

اگر اُس نے لاش دیکھ لی ہوتی تو اس وقت یہ ایریل دار لڑکی اُسے اپنی طرف متوجہ کر سکتی۔

حمید ٹھٹھکا ہوا اُس ستون کے قریب پہنچ گیا جس سے وہ ٹیک لگائے کھڑی تھی۔
”معاف کیجئے گا..... میرا خیال ہے کہ آپ نے پرواز میں سائڈ ہیروئن کا رول ادا کیا؟“ اُس نے بڑی نرمی سے کہا۔

لوکی مسکرانے کی کوشش کرتی ہوئی بولی۔ ”آپ غلط سمجھ! مجھے پہلی بار چانس ملا ہی تھا ایک اصلی والی ہیروئن قتل کر دی گئی۔ شاید اب آشا کی جگہ کوئی پُر نہ کر سکے..... ہونہر۔“

لہجہ بے حد طنز پر تھا۔ وہ کہتی رہی۔ ”رات بھر جاگنے کے بعد اب یہ مصیبت..... سر“ سے پھٹا جا رہا ہے۔ دیکھئے..... کب فرصت ملتی ہے۔ خدا پولیس کی درخواست سے بچائے آج ہی صبح پولیس والوں کی شکلیں دیکھنی پڑی ہیں۔ دیکھئے کب تک خوش طاری رہتی ہے۔ آپ کون ہیں شاید پہلے کبھی آپ کو یہاں نہیں دیکھا۔“

”یقیناً کبھی نہ دیکھا ہوگا..... لیکن اس وقت بہت قریب سے دیکھ رہی ہیں اللہ آپ کے لئے رحم کرے۔“

”کیا مطلب.....؟“

”اب کہیں آپ کی ساری زندگی خوشی کا شکار نہ ہو جائے۔“

”یعنی..... آپ.....؟“

”جی ہاں..... میں بھی اس نامعقول محکمے سے تعلق رکھتا ہوں۔“

”ارے نہیں..... آپ تو بڑے شریف آدمی معلوم ہوتے ہیں!“

”شکر یہ.....!“ حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ ”میں آپ کو ہمیشہ یاد رکھوں گا۔“

”کیوں.....!“

”اس سے پہلے میں کسی کو بھی شریف آدمی نہیں معلوم ہوا۔“

”ہمیں کب چھوڑا رالے گا؟“

”اب تو ناممکن ہے آپ کی حد تک تو قسم بھی کھا سکتا ہوں کیونکہ آپ نے ایک پولیس

لے کو قریب سے دیکھا ہے۔“

”میں سنجیدگی سے پوچھ رہی ہوں جناب۔“

”کیا آپ کا تحریری بیان ہو چکا ہے۔“

”جی نہیں..... کون صاحب بیان لے رہے ہیں..... بتائیے تاکہ اُن کے آگے بھی رٹاؤں۔“

”مختلف لوگ ہیں۔ ایک آدمی کے بس کی بات نہیں۔ رات اسٹوڈیو غالباً خاصا آباد

”کیا آپ اُن میں سے نہیں ہیں۔“ وہ گھگھکیائی۔ ”آپ ہی کرم کیجئے۔“

”آپ کا نام.....؟“ حمید جیب سے ڈائری نکالتا ہوا بولا۔

”محمد الحق..... عرف عام میں نجمی..... فلم نام بھی یہی ہے..... رہائش پندرہ بٹانا والا

بلنگٹ بوکل پاڑہ۔“

”اتنی تیز نہیں۔“ حمید ڈاڑی پر نوٹ کرتا ہوا بولا۔ ”ولدیت بھی۔“

”بغیر والدین کے پیدا ہوئی تھی۔ والدین میری پیدائش کا باعث بنے ہوئے۔“
متوسط گھرانے میں چولہا ہانڈی کر رہی ہوتی یا اس وبال میں پڑتی۔“

”عمر۔۔۔!“

”اپنی پسندیدہ عمر لکھ لیجئے۔۔۔ مجھے تو یاد نہیں۔“

”بہتر سال لکھ لوں؟“ حمید نے سنجیدگی سے پوچھا۔

”ارے! میں آپ کو بہتر سال کی معلوم ہوتی ہوں۔“

”جیسی جلی کئی باتیں کر رہی ہیں۔۔۔!“

”اوہ۔۔۔!“ وہ ہنس پڑی۔ ”دراصل شدت سے بور ہو رہی ہوں۔“

”خیر۔۔۔ خیر۔۔۔ آشا کو آپ کب سے جانتی تھیں۔“

وہ کچھ کہنا ہی چاہتی تھی کہ قریب سے ایک آدمی لڑکھڑاتا ہوا گذرا۔۔۔ زخمی معلوم ہو

کپڑوں پر خون کے خشک دھبے تھے۔

”ارے۔۔۔ جاوید۔۔۔ اسے کیا ہوا۔“ وہ بوکھلائے ہوئے لہجے میں بولی۔

تھپڑ اور ٹائی

پھر وہ بائیں جانب مڑائی تھا کہ حمید نے اُسے لڑکھڑاتے دیکھا۔ برآمدے میں کئی موجود تھے۔ اُن کے چہروں پر بھی حمید نے ایسے ہی آثار دیکھے جیسے وہ اُسے نہ صرف بچا ہیں بلکہ اس حال میں دیکھ کر انہیں حیرت بھی ہو۔ پھر دوسروں کے ساتھ حمید بھی اُسکی طرف! وہ منہ کے بل گرا تھا۔۔۔ زخمی پیشانی سے پھر خون بہہ چلا۔

”کیا ہوا۔۔۔؟“ سامنے والے کمرے سے آواز آئی۔

”جاوید ہے؟“ بیہوش آدمی کے گرد جمع ہو جانے والوں میں سے کسی نے بلند آواز میں

جواب دیا۔ ”زخمی ہے اور بیہوش ہو گیا ہے۔“

کئی آدمی کمرے سے بھی نکل آئے۔ حمید زخمی کی طرف مڑا۔۔۔ اور پیچھے ہٹا ہوا آہستہ سے بولا۔ ”بس اب چپ چاپ یہاں سے نکل چلئے۔“

”کیوں؟ کیوں۔۔۔؟“ اُس نے بوکھلائے ہوئے انداز میں پوچھا۔

”یہاں رکنے پر آج بھی شب بیداری کی نوبت آ سکتی ہے۔“ حمید برآمدے کے زینوں سے اُترتا ہوا بولا۔

وہ اُس کے ساتھ ہی چل رہی تھی۔

”ارے۔۔۔ ارے۔۔۔ ختم۔۔۔ ختم ہو گیا۔“ برآمدے میں کسی نے چیخ کر کہا۔

اور پھر سناٹا چھا گیا۔

حمید رک گیا تھا۔ زخمی بھی رکی تھی۔ اُس کے چہرے پر حیرت کے آثار تھے۔

”تم اگر جانا چاہو تو۔۔۔ جاسکتی ہو۔“ حمید نے کہا اور برآمدے کی طرف جھپٹا۔

زخمی وہیں کھڑی رہی۔

”ہٹ جائیے۔۔۔ اُس کے پاس سے ہٹ جائیے۔“ حمید نے مجمع کے قریب پہنچ کر کہا۔

زخمی مڑ چکا تھا۔۔۔ ایک بار پھر اسٹوڈیو کی فضا مکدر ہو گئی۔

”جاوید۔۔۔ کون تھا؟“ جواب جلد ہی مل گیا۔

یہ اُسی فلم کی فوٹو گرافی کر رہا تھا جس میں آشا ہیر وُن کا رول ادا کر رہی تھی۔

حمید کا اندازہ تھا کہ زندگی میں خوش شکل اور وجیہ رہا ہوگا۔ عمر بھی ستائیس اٹھائیس سے زیادہ نہیں تھی۔

فریڈی نے ایک بار پھر ڈائریکٹر کو طلب کیا، جو بہت زیادہ پریشان نظر آ رہا تھا۔

”جناب میری طبیعت گھڑ رہی ہے۔“ اُس نے کہا۔ ”اب اجازت دیجئے۔ میں گھر جانا

”ابھی ابھی ایک بچھلی میرے ہاتھ سے نکل گئی ہے۔“

”تم بچھلی رات کہاں تھے۔“

”ری کھیلنے بیٹھ گیا تھا ایک جگہ..... صبح ہو گئی۔“

”لاش دیکھ چکے ہو۔“

”جی ہاں۔“ حمید جلدی سے بولا۔ خدشہ تھا کہ کہیں دیکھنی ہی نہ پڑے۔

”کیا خیال ہے؟“

”ایسی صورت میں اُسے قتل کیسے کہا جاسکتا ہے۔“ حمید نے سنی سنائی باتوں کی بنیاد پر رد

کئے کی کوشش کی۔

”وہ کسی درندے کے دانت نہیں ہو سکتے۔“

”نہیں.....!“ حمید اچھل پڑا۔

”پھر تم نے کیا دیکھا ہے۔“

”قرب سے نہیں دیکھی تھی۔“

”زندگی میں کچھ دنوں تک کافی قرب رہ کر دیکھ چکے ہو۔“ فریدی نے تلخ لہجے میں کہا۔

حمید کچھ نہ بولا۔ فریدی کھڑکی کے باہر دیکھ رہا تھا۔

آخر کچھ دیر بعد حمید نے کھار کر کہا۔ ”کہئے تو میں کوشش کروں اس سلسلے میں۔“

”کس سلسلے میں۔“

”یہ معلوم کرنے کی کوشش کروں کہ جاوید سے اُس کا کیا تعلق تھا۔“

”خیال کیسے پیدا ہوا؟“

”آشاکا افتاد طبع..... چوری چھپے کے کھیل اُس کے لئے بڑی دلکشی رکھتے تھے۔“

دفعۃ فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ ”جاوید کی لاش..... سر کا زخم گہرا ہے۔ ہو سکتا ہے وہ بچھلی رات

نی کو زخمی ہوا ہو..... کپڑوں پر پائے جانے والے خون کے دھبوں کی رنگت بھی بتاتی ہے۔“

”مجھے افسوس ہے..... لیکن اب دیکھئے..... یہ دوسرا قصہ نکل آیا۔“ فریدی بولا۔

”پھر میں کیا کر سکوں گا اس سلسلے میں۔“

”بچھلی رات آپ نے شونگ کس وقت ختم کی تھی۔“

”نوبے سے شفٹ شروع ہوئی تھی جس کا اختتام تین بجے ہوتا..... لیکن ہم گیارہ

بجے کے بعد کام نہیں کر سکے تھے۔“

”کیوں؟“

”بعض ٹیکنیکل دشواریوں کی بناء پر۔“

”کیا اُن دشواریوں کا تعلق فوٹو گرافی سے تھا۔“

”جی ہاں۔“ ڈائریکٹر نے کہا۔ ”اُس کے علاوہ اور کوئی کیمرہ خالی نہیں تھا۔“

”اُس کے بعد جاوید یہاں اور کتنی دیر تک نظر آیا تھا۔“

”مجھے علم نہیں۔“

”آپ کے علم میں کوئی ایسا آدمی بھی ہے جو اس سوال کا جواب دے سکے۔“

”پتہ نہیں۔“ اُس نے بیزاری سے کہا۔ ”وہ سب آدمی آپ کے سامنے ہیں جنہوں۔“

بچھلی رات میرے ساتھ کام کیا تھا۔“

”یہ معلوم ہوتا ہے حضوروری ہے کہ جاوید کس وقت تک یہاں دیکھا گیا تھا؟“

ڈائریکٹر کچھ نہ بولا۔

دفعۃ حمید کو نجی یاد آئی..... وہ بھی تو جاوید سے واقف تھی اور بچھلی رات اسٹوڈیو

گزاری تھی۔

فریدی نے ڈائریکٹر کو اسٹوڈیو سے جانے کی اجازت دے دی اور پر نظر نظروں سے

کی طرف دیکھتا رہا۔

”شاید میں اس سلسلے میں آپ کی کچھ مدد کر سکوں۔“ حمید نے آہستہ سے کہا۔

حمید اُس کے پیچھے کمرے سے باہر آیا تھا۔

”اب از سر نو اُن لوگوں سے پوچھ گچھ کرنی پڑے گی جو پچھلی رات اسٹوڈیو میں تھے

فریدی بولا۔

”مجھے افسوس ہے۔“

”کیا مطلب.....؟“

”ایک لڑکی اپنے گھر پہنچ چکی ہوگی۔“

”بکواس مت کرو..... کیا بات ہے۔“

”معمولی پوچھ گچھ کے بعد میں نے اُسے جانے کی اجازت دے دی تھی۔ ل.....؟“

اُس کا پیہ نوٹ کر لیا تھا۔

فریدی اُس سامنے بنائے ہوئے آگے بڑھ گیا۔

”سنئے تو سہی..... میرا خیال ہے کہ وہ جاوید کو قریب سے جانتی تھی۔“

”تو پھر دیکھو کہ کیا کر سکو گے۔“ فریدی نے مڑے بغیر چلتے ہوئے جواب دیا۔

اور حمید وہیں سے اپنی ویش کی طرف مڑ گیا، جو تھوڑے ہی فاصلے پر پارک کی گئی تھی۔

گاڑی میں بیٹھا اور گاڑی تیر کی طرح چھانک سے گزر گئی۔

تھوڑی ہی دیر بعد وہ نجی کے فلیٹ کے سامنے کھڑا سوچ رہا تھا کیا وہ آتے ہی بستر

گئی ہوگی۔ آنکھوں میں تو نیند کا ایسا ہی غلبہ نظر آیا تھا۔

”کون.....؟“ اندر سے آواز آئی۔

”پولیس.....“ حمید نے بھاری آواز میں کہا اور دروازہ فوراً ہی کھل گیا۔

وہ ڈریسنگ گاؤں کی ڈوری باندھ رہی تھی۔

”اوہ..... آپ ہیں۔“ اُس نے طنزیہ لہجے میں کہا۔ ”مجھے یقین تھا کہ ایسا ہی ہوگا۔ آ

آپ نے مجھ پر رحم کھا کر وہاں سے چلے آنے کی اجازت دی تھی..... لیکن محترم میں کسی قسم

بھی رشوت کے قابل نہیں ہوں۔“

”اپنے لہجے میں تھوڑی مٹھاس پیدا کیجئے۔ کیا اندر آنے کو بھی نہ کہئے گا۔“

”ضرور..... ضرور..... تشریف لائیے۔“ وہ ایک طرف ہٹتی ہوئی بولی۔

نشت کا کمرہ تھا۔ معمولی قسم کے ساز و سامان سمیت کمین کی خوش ذوقی کا مظہر۔

”تشریف رکھئے۔“ نجی نے ایک کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

حمید بیٹھ کر چند لمحوں پر تشویش نظروں سے دیکھتا رہا پھر بولا۔ ”آپ ذرا ہی سی دیر

اُسو جائیں گی۔“

”اے اطلاع سمجھوں یا پیش گوئی۔“ وہ مسکرائی۔

”سنجیدگی اختیار کیجئے..... آپ کو پھر واپس چلنا ہے۔“

”کیوں.....؟“ اُس نے آنکھیں نکالیں۔ لہجے میں بھی جھلاہٹ تھی۔

”میرے چیف کا حکم..... جاوید کی دریافت کے بعد سے حالات بدل گئے ہیں۔“

”دریافت سے کیا مراد ہے آپ کی۔“

”آپ نے پچھلی رات اُسے کس وقت دیکھا تھا؟“

”اوہ.....“ نجی نے طویل سانس لی اور خود بھی سامنے والی کرسی پر بیٹھ گئی۔

حمید اُسے استفہامیہ انداز میں دیکھتا رہا۔

کچھ دیر بعد نجی بولی۔ ”کیا یہ ممکن نہیں کہ مجھے وہاں نہ جانا پڑے۔ میں اب سو جانا چاہتی

ہوں۔ ہاں میں نے اُسے پچھلی رات عقبی پارک کی طرف جاتے دیکھا تھا۔“

”کیا وقت رہا ہوگا۔“

”بارہ بجے تھے..... وقت کے متعلق یقین کے ساتھ کہہ سکتی ہوں کیونکہ اُسی وقت کسی

قرعہ کمرے میں لگے ہوئے کلاک نے بارہ بجائے تھے۔“

”اور کون تھا اُس کے ساتھ؟“

”تہا تھا.....؟“

”آپ نے سوچا ہوگا کہ اتنی رات گئے عقبی پارک کی طرف جانے کا کیا مقصد ہو سکتا ہے۔“

وہ ہنس پڑی۔ انداز تھیک آ میر تھا۔

پھر حمید کی آنکھوں میں اس ہنسی کے متعلق استفہام دیکھ کر بولی۔ ”وہاں کون سوچتا۔“
ایسی باتیں..... کیا آپ کو اس دنیا کی خبر نہیں۔“

حمید نے معصومیت سے نفی میں سر ہلا دیا۔

”مجھے تو اسی میں شبہ ہے کہ آپ کا تعلق پولیس سے ہے۔“

”کیوں شبہ کیوں.....؟“

”واقعی آپ بالکل شریف آدمی معلوم ہوتے ہیں۔“

”بالکل سے کیا مراد ہے آپ کی.....؟“ حمید نے بھولپن سے پوچھا۔

وہ جواب دینے کی بجائے ہنس پڑی۔ حمید احمقانہ انداز میں اُسے دیکھتا رہا۔

”لیکن..... میں یہ سوچ بھی نہیں سکتی کہ وہ آشا کے لئے وہاں گیا ہوگا۔“ اُس نے پا
دیر بعد سنجیدگی اختیار کر کے پرتشویش لہجے میں کہا۔

”نہ سوچنے کی وجہ۔“

”ارے وہ جاوید..... مانا کہ خوب رو تھا..... مگر تھا تو پھٹ پھٹ..... آشا کو کس بات کی کمی تھی

ملک کے نہ جانے کتنے دولت مند آدمی.....!“

”مگر یہ کیوں بھولتی ہو کہ وہ خود بھی کافی دولت مند تھی۔“

”لیکن جاوید..... کیا آپ کو معلوم نہیں کہ پچھلی فلم ”نظارے“ کی شوٹنگ کے دوران میں

آشانے جاوید کے تھپڑ مار دیا تھا۔“

”اوہو..... نہیں..... ہمیں اس کی اطلاع نہیں۔ کتنے عرصہ پہلے کی بات ہے؟“

”ایک سال ہونے کو آیا۔“

”کیا وہ فلم اسی ڈائریکٹر نے بنائی تھی۔“

”جی ہاں..... وہ آشا کے نام پر کباب ہو جاتا تھا۔“

”تھپڑ کیوں مارا تھا آشانے۔“

”جاوید نشے میں تھا۔ اُس نے آشا سے اپنی کوئی خواہش ظاہر کرتے ہوئے کہا تھا کہ اگر

دہانہ نہ ہوئی تو اس فلم میں اُس کی مٹی پلید کر کے رکھ دے گا۔“

”اوہ..... لیکن آپ نے خواہش کی وضاحت نہیں کی۔“

”جلیبیاں مانگ رہا تھا۔“ نجی جل کر بولی۔ ”آپ واقعی اتنے ہی بھولے ہیں یا خواہ

خواہ میرا وقت برباد کر رہے ہیں۔“

”ارے آپ کو کیسے معلوم ہوا۔“ حمید نے حیرت سے پوچھا۔

”کیا معلوم ہوا؟“

”یہی کہ میری عرفیت بھولے میاں ہے۔“ حمید شرما کر بولا اور وہ بیساختہ ہنس پڑی۔

پھر سنجیدہ ہو کر اُسے کچھ دیر گھورتی رہنے کے بعد بولی۔ ”آپ کیا چاہتے ہیں؟“

”مم..... میں دراصل یہ نوکری چھوڑنا چاہتا ہوں..... کیا فلم میں مجھے چانس مل جائے گا۔“

”کیوں نہیں؟ کیوں نہیں۔“ وہ سر ہلا کر بولی۔ ”اگر پیسہ ہے تو آپ فلم پروڈیوسر بن سکتے

ہیں۔“

”مم..... میرا مطلب تھا..... ہیرو..... ویرو.....!“

”مجھے یہ یقین نہ بنایا.....!“ وہ جھنجھلا کر بولی۔ ”رحم کیجئے میرے حال پر۔ ورنہ نیند

اب بیہوشی کی شکل اختیار کر لے گی۔“

”اچھا پھر سہی۔“ حمید اٹھتا ہوا بولا۔ ”میں جاوید سے متعلق آپ کا بیان لے چکا ہوں،

لہذا اب یہ ضروری نہیں ہے کہ آپ میرے ساتھ اسٹوڈیو جائیں۔“

”کبھی کبھی ملتے رہنا..... خاصے دلچسپ آدمی معلوم ہوتے ہو۔“

”اچھا.....!“ حمید نے سعادت مندانہ انداز میں سر ہلا کر کہا۔

اب پھر اسٹوڈیو کی طرف واپس جا رہا تھا۔

فریدی سے عمارت میں ملاقات نہ ہو سکی۔ لیکن کچھ ماتحت اب بھی مختلف کمروں میں
لوگوں کے بیانات لیتے نظر آ رہے تھے۔ سرجنٹ رمیش نے بتایا کہ فریدی کچھ دیر پہلے عقبی

پارک کی طرف گیا تھا۔

عقی پارک سے لاش اٹھوائی جا چکی تھی اس لئے حمید نے بھی ادھر ہی کا رخ کیا۔ لاش موجودگی میں وہ پھر ٹال جاتا۔ خواہ مخواہ موڈ خراب کرنے سے کیا فائدہ۔

فریدی اُسی جگہ ملا جہاں آشا کی لاش پائی گئی تھی۔ اُس نے سوالیہ نظروں سے حمید کی طرف دیکھا۔

”میں نے اُس لڑکی..... مطلب یہ کہ نجم الحمر سے پوچھ چکھ کی تھی۔ اُس نے بتایا کہ جاوید کو اُس نے بارہ بجے عقی پارک کی طرف جاتے دیکھا تھا۔“

”ہوں..... اور کچھ.....؟“

”اور یہ کہ پچھلے سال فلم ”نظارے“ کی شوٹنگ کے دوران میں آشانے جاوید کے تھپا کر دیا تھا۔“

حمید نے تفصیل بتائی۔ فریدی کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ ”اگر وہ جاوید کی انتہائی کارروائی تو پھر خود جاوید کو کیا ہوا..... اُس کے سر کا زخم کسی وزنی اور کند اوزار کی ضرب کا نتیجہ تھا۔ یہ خیال ہے کہ وہ کچھلی رات سے اب تک یہیں کہیں بیہوش پڑا رہا تھا۔ ہوش آنے پر اسٹوڈیو کی طرف چل پڑا ہوگا۔ ہو سکتا ہے..... کہ.....!“

وہ کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

پھر حمید نے دیکھا کہ وہ مضطربانہ انداز میں چاروں طرف دیکھ رہا ہے۔

یہاں جگہ جگہ مالتی کے جھنڈ کھڑے ہوئے تھے۔ بے ترتیب روئیدگی میں بھی اس سینگ سے ترتیب پیدا کی گئی تھی، جیسے ان میں انسانی ہاتھ لگے ہی نہ ہوں..... غالباً فلمی مناظر کے لئے انہیں برقرار رہنے دیا گیا تھا۔

دفعۃ حمید نے فریدی کو ایک قریبی جھنڈ کی طرف بڑھتے دیکھا اور پھر وہ جھک کر کوئی جج

اٹھانے لگا۔

حمید بھی پھرتی سے اُس کے قریب پہنچا۔

مالتی کی کھنی شاخوں میں کپڑے کا ایک ٹکڑا الجھا ہوا نظر آیا اور پھر جب فریدی نے اُسے سمجھ کر باہر نکالا تو وہ گہرے براؤن رنگ کی ٹائی ثابت ہوئی جس پر کئی جگہ غالباً خون ہی کے دبے تھے۔

بیچارہ ادیب

فریدی پر تنگ انداز میں دھبوں کو ٹٹولتا رہا۔ پھر حمید کی طرف مڑ کر بولا۔

”جاوید کے گلے میں ٹائی نہیں تھی۔“

”ممکن ہے شروع ہی سے نہ رہی ہو۔“ حمید نے لاپرواہی سے کہا۔

”ہوں..... اُوں.....!“ وہ پھر سوچ میں ڈوب گیا۔

حمید بُری طرح الجھ رہا تھا۔ اس لئے خلاء میں گھورتا ہوا بوریت کے اظہار کے لئے طرح طرح کے منہ بناتا رہا اور یہ نئی بات نہیں تھی۔ ایسے مواقع پر ہمیشہ وہ بوریت کا شکار ہو جاتا تھا۔ جب اُس کی حیثیت محض مہر اہی کی سی ہوتی تھی۔ کام چور ہرگز نہیں تھا۔ کوئی کام سوچ دیا جائے تو وہ پایہ تکمیل ہی کو پہنچ کر رہتا تھا۔ لیکن خود سے کام سمیٹتے پھرنے سے قطعی دلچسپی نہیں تھی۔

بہر حال کچھ تو بوریت تھی اور کچھ کچھلی رات کی تھکن کہ وہ نکل بھاگنے کی راہیں تلاش کر رہا تھا۔ دفعۃ فریدی نے اُس کی طرف مڑ کر کہا۔ ”ابھی تک کسی نے جاوید اور آشا کے کسی جھگڑے کے متعلق کچھ نہیں بتایا۔“

”یہ لوگ اتنا ہی بتاتے ہیں جتنا پوچھا جائے۔“

”کسی اور سے بھی پوچھو۔“ فریدی نے عمارات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

حمید نے طویل سانس لی۔ وہ یہی چاہتا تھا۔

لیکن دشواری یہ آپڑی کہ اُس وقت وہاں اُن لوگوں میں سے کوئی بھی موجود جنہوں نے فلم نظارے کی تکمیل میں کسی نہ کسی طرح حصہ لیا تھا۔ پھر بھی وہ اپنے بچے ذہن سمیت اسٹوڈیو کی عمارات میں چکراتا پھرا۔ پچھلے رات کے تجربات اب پھر یاد تھے۔ وہ اس طرح بے ارادہ پہلے کبھی نہیں سویا تھا جیسے راجن کی خواب گاہ میں نیند آگئی اس لئے یقین نہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں تھی کہ کافی میں کسی خواب آور چیز کی آمیزش کی گئی لیکن مقصد کیا تھا؟

پھر راجن کا بیان۔ اُس کی دانست میں مورفیا کا انجکشن دینے والا خود حمید تھا۔ اگر سچا سمجھ لیا جائے تو پھر اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ خود بھی کسی سازش کا شکار ہو گیا تھا۔ ٹھٹھٹے ٹھٹھٹے ایک جگہ رک کر حمید باپ میں تمباکو بھرنے لگا۔ اُس کی پشت پر کسی کر دروازہ کھلا تھا جس کا ایک پاٹ بھڑا ہوا تھا اور دوسرے کی پوزیشن بھی ایسی تھی کہ اُس کھڑے ہو کر کمرے کے اندر نہیں دیکھا جاسکتا تھا۔

دفعاً اُس سے کسی نے کہا۔ ”یار مانگ لے تھوڑی سی تمباکو..... آخر کیا بُرائی ہے۔“ ”چپ رہو۔“ دوسری آواز آئی۔ ”تم مجھے کیا سمجھتے ہو..... میرا باپ ڈپٹی کمشنر تھا۔ تمباکو مانگتا پھروں گا ہونہ.....!“

”تمہارے باپ کی ڈپٹی کمشنری تمہیں بھنگی بنا کر رکھ دے گی ایک دن۔ دیکھ لیتا۔“ پھر ایک نسوانی قہقہہ سنائی دیا اور کہا گیا۔ ”ظہر! میں مانگے لاتی ہوں۔“ حمید نے مڑ کر دیکھا دروازے کے اوپر والے سائن بورڈ پر ”غوری پروڈکشنز“ تحریر دروازہ کھلا اور حمید اچھل پڑا۔ باہر آنے والی نجی تھی۔

وہ بھی حمید پر نظر پڑتے ہی جھٹکی تھی۔ لیکن پھر سنبھل کر مسکرائی۔ ”ہلو آفیسر..... مجھے یہاں دیکھ کر غالباً متحیر ہو۔“

”یقیناً.....!“ حمید اُس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ ”جواب بھی نیند کے غبار ۛ دھندلائی ہوئی تھیں۔“

”یہ زندگی کچھ ایسی ہی ہے۔ تم کون سا تمباکو پیتے ہو۔“ ”پرنس ہنری۔“

”کیا تھوڑا سادے سکو گے..... ہمارے سیٹھ کا نشہ اکھڑ رہا ہے۔ تمباکو ختم ہو گیا ہے۔ خود ہی رول کر کے پیتا ہے۔“

حمید نے پاؤچ جیب سے نکال کر اُس کی طرف بڑھا دیا۔ ”آؤ..... اندر آ جاؤ۔“ نجی دروازے میں مڑتی ہوئی بولی۔

”کیا مضائقہ ہے۔“ حمید نے کہا اور دوسرے ہی لمحے میں خود بھی کمرے کے اندر ہی تھا۔ سامنے ہی ایک بڑی سی میز نظر آئی جس کے پیچھے ایک گول منول سا آدمی کرسی میں دھنسا ہوا تھا اور بائیں جانب ایک دبلا پتلا مدقوق سا آدمی نظر آیا جس نے اپنی بھنویں اس طرح سکوڑ رکھی تھیں جیسے حمید کا آنا ناگوار گزارا ہو۔

”تمباکو ہی تمباکو سیٹھ۔“ نجی اٹھلائی۔ ”یہ میرے دوست ہیں۔“

”اچھا جی۔“ موٹے آدمی نے دانت نکال دیے۔ ”بیٹھو..... بیٹھو۔“

نجی نے تمباکو کی پاؤچ اُس کے سامنے ڈال دی تھی۔

حمید کچھ اُس ہنس کھ موٹے کو گھورتا اور کبھی اُس ٹکڑے مدقوق کو۔

”یہ ہمارے اسکرپٹ رائٹر ہیں۔“ موٹے نے مدقوق کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

”میں اسے غیر ضروری سمجھتا ہوں کہ ہر ایک سے میرا تعارف کرایا جائے۔“ مدقوق نتھنے

بھلا کر بولا۔

”یہ کسی ڈپٹی کمشنر کے لڑکے ہیں۔“ نجی ہنس کر بولی۔ ”اس لئے ان کی بات کا کوئی بھی

مُرائیں نہ آتا۔“

”اچھا..... اچھا.....!“ حمید سر ہلا کر بولا۔

”مس نجی..... میں اسے پسند نہیں کرتا۔“ مدقوق نے پھر نتھنے پھلائے۔

”اُوئے چپ کرنا۔“ موٹے سیٹھ نے میز پر ہاتھ مار کر کہا۔

”اوہ..... اوہ.....“ وہ کارڈ پر نظر جمائے ہوئے چپ چاپ بیٹھ گیا۔

”جاوید کو آپ کب سے جانتے تھے؟“

موٹا سیٹھ اُس کے بدلتے ہوئے رویے کو حیرت سے دیکھ رہا تھا۔ پھر نجی نے سسپنس کا

ہاتھ کر دیا۔

”یہ ایک پولیس آفیسر ہیں!“

”اچھا..... اچھا.....!“ موٹے نے دانت نکال دیے۔ پھر بلند آواز میں ہانک لگائی۔

”اُوباہر والا۔“

”نہیں شکریہ۔“ حمید سر ہلا کر بولا۔ ”میں چائے نہیں پیوں گا۔“

”بیوتا صاحب..... یہ اپنی نجمہ کا دوست ہمارا بھی بھائی ہے۔“

”شکریہ.....!“ حمید نے کہا اور مدقوق سے بولا۔ ”آپ نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔“

”میں اُسے سالہا سال سے جانتا تھا..... میرا کلاس فیلو.....!“

”ان دنوں کیسے تعلقات تھے۔“

”اچھے ہی تھے۔“ مدقوق کی آواز کانپ رہی تھی اور وہ بیحد نروس نظر آ رہا تھا۔

”اب تم چوکڑی بھول گیا نشی جی۔“ سیٹھ ہنسنے لگا۔

مدقوق نے اُسے بے بسی سے دیکھا اور پھر حمید کی طرف دیکھنے لگا۔

”آشا اور اس کے تعلقات کا علم تھا آپ کو۔“

”مم..... میں..... تعلقات میں نہیں سمجھا۔“

”بچھلی رات کہاں تھے؟“

”مم..... میں یہیں تھا۔“

”بچھلی رات جاوید سے ملاقات ہوئی تھی۔“

”نہیں.....؟“

”آشا کے متعلق اُس نے آپ سے کیا بتایا تھا۔“

مدقوق نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔

سیٹھ پاؤچ سے تمباکو نکال کر سگریٹ رول کر رہا تھا۔

”میرا سر درد سے پھٹا جا رہا ہے سیٹھ۔“ نجی پیشانی پر ہاتھ رکھ کر منمنائی۔

”لہسہ دکھاؤ.....!“

”ارے مجھے نیند بھی آ رہی ہے۔“

”ابھی چلتے ہیں..... ابھی چلتے ہیں۔“

”بلوایا کیوں تھا جب کوئی کام نہیں ہے۔“

”بہت کام ہے..... بہت کام ہے۔“ وہ سر ہلا کر بولا۔

حمید نے پاؤچ اٹھا کر جیب میں ڈالی اور اٹھنے کا ارادہ کر رہی رہا تھا کہ نجی بول پڑا

”ہمارے اسکرپٹ رائٹر صاحب جاوید کے گہرے دوستوں میں سے تھے۔“

”اوہ.....!“

”اچھا تھا..... تو پھر.....؟“ مدقوق نے آنکھیں نکالیں۔

”آپ ہمارے لئے کارآمد ثابت ہو سکتے ہیں۔“ حمید نے بنیدگی سے کہا۔

”کیا مطلب..... میں بے تکلفی کا عادی نہیں ہوں۔“

”میرا باپ کشن تھا۔“ نجی نے اُسی کے لہجے کی نقل اتاری۔

”میں اسے پسند نہیں کرتا۔“ مدقوق میز پر ہاتھ مار کر چیخا اور اُسے کھانسی آنے لگی۔

موٹا سیٹھ ہنس رہا تھا اور اُس نے نجی کو پیار بھری نظروں سے دیکھ کر آنکھ بھی ماری تھی

”میں جا رہا ہوں۔“ مدقوق اٹھتا ہوا بولا۔

”تشریف رکھئے۔“ حمید نے سخت لہجے میں کہا۔

”جی.....!“ وہ کلکھنے انداز میں اُس کی طرف دیکھنے لگا۔

”یہ دیکھئے۔“ حمید جیب سے اپنا کارڈ نکال کر اُس کی طرف بڑھاتا ہوا بولا۔ ”میں آ

کو روک سکتا ہوں۔“

”میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ کیا پوچھ رہے ہیں۔“

”اُس کے اس طرح مرجانے پر آپ کو حیرت نہیں۔“

”میرے خدایہ کس قسم کے سوالات ہیں۔“ وہ اپنے بال نوچتا ہوا بولا

”وہ آج یہاں اسی حالت میں پہنچا تھا کہ لڑکھڑا کر گرتے ہی دم توڑ دیا؟“

”جی ہاں..... مجھے معلوم ہے۔“ مدقوق سر ہلا کر بولا۔

”اسے کس نے زخمی کیا تھا.....؟“

”کیا آپ کا خیال ہے کہ وہ میں ہو سکتا ہوں۔“

”میرے سوال کا جواب دیجئے۔“

”اُف فوہ! میں کیا بتا سکوں گا۔ میں تو ساری رات یہاں رہا ہوں اور اب بھی آپ یہیں دیکھ رہے ہیں۔ ویسے وہ جھگڑا لڑا دی تھا۔ شراب پی کر اور بھی بد دماغ ہو جاتا تھا۔ کسی نے بھی پیٹ دیا ہوگا۔“

”پچھلے سال اُس کا آشنا سے جھگڑا ہوا تھا..... آپ کو علم ہے۔“

”جی ہاں! میں نے بھی سنا تھا۔“

”اُس کی زبانی.....!“

”جی ہاں..... آشنا نے اُسے تھپڑ مار دیا تھا۔ اُس کے بعد وہ جب بھی نشے میں ہوتا تھا

اُسے آشنا کا تھپڑ یاد آ جاتا تھا۔ اور وہ.....!“

”ہوں..... اور وہ کیا کہتا تھا؟“

”یہی کہ کسی دن اُسے مزہ چکھائے گا۔“

”آخری بار اُس نے یہ بات کب کہی تھی۔“

”کاش میں ڈائری لکھنے کا عادی ہوتا۔“ وہ روہائی آواز میں بولا۔

”ذہن پر زور دیجئے۔ آپ تو بہت ذہین آدمی معلوم ہوتے ہیں۔ ابھی تک مجھے آپ کا

نام بھی نہیں معلوم ہو سکا۔“

”مجھے فیاض نجدی کہتے ہیں۔“ وہ منمنایا۔

”اُوہ..... آپ ہی فیاض نجدی ہیں۔“ حمید نے حیرت سے دہرایا اور بے حد خوش ہو کر

مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھاتا ہوا بولا۔ ”آپ سے مل کر بہت خوشی ہوئی۔ اُف فوہ..... میں سوچ

بھی نہیں سکتا تھا کہ اتنے بڑے ادیب سے اس طرح ملاقات ہوگی۔“

مدقوق نے دانت نکال دیئے اور بڑی گرم جوشی سے مصافحہ کیا۔ حمید بھی کھلا پڑ رہا تھا۔

دیے یہ اور بات ہے کہ اس سے پہلے کبھی یہ نام سنا بھی نہ ہو۔

مدقوق اسکرپٹ رائٹر دفعتاً مجسم اخلاق بن گیا۔ حمید کہہ رہا تھا۔ ”فلم انڈسٹری پر احسان

ہے آپ کا کہ آپ اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ آپ ہی جیسے کچھ اور بھی بڑے ادیب ادھر

آجائیں تو کیا کہنا..... چار چاند لگ جائیں۔“

”شکریہ..... شکریہ..... میں کس قابل ہوں۔“

”ارے نہیں منشی جی۔“ سینٹھ سر ہلا کر بولا۔ ”تم بہت بڑا قابل ہے..... جب ایسا ایسا بابو

اُل تمہارا تعریف کرتا ہے۔“

”یہ بہت بڑے پولیس آفیسر ہیں جناب۔“ اسکرپٹ رائٹر فیاض نجدی نے کہا۔

”ارے باپ رے۔“ سینٹھ بوکھلا کر کھڑا ہو گیا۔

”بیٹھے..... بیٹھے..... سینٹھ صاحب۔ ہم دوستانہ فضا میں بات چیت کر رہے ہیں۔“ حمید بولا۔

”اچھا صاحب..... اچھا جی.....“ سینٹھ بیٹھ گیا اور اس طرح ہانپنے لگا جیسے پہاڑ چڑھنا پڑا ہو۔

”ہاں تو نجدی صاحب..... یہ جاوید۔“ حمید پھر اُس کی طرف متوجہ ہو گیا۔

”ارے جناب بس کیا عرض کروں..... ادھر کچھ دنوں سے وہ اُس پر مہربان ہو گئی تھی اور

”نشے کی حالت میں اُسے گالیاں دینے کی بجائے اُس کی بے بسی پر رویا کرتا تھا۔“

”بے بسی پر رویا کرتا تھا.....؟“ حمید نے حیرت ظاہر کی۔

”جی ہاں بے بسی ہی کہہ لیجئے۔ اُس کی ثانی اُسے کڑی نگرانی میں رکھتی تھی۔“

”آپ کو اس تبدیلی پر حیرت تو ہوئی ہوگی۔“

”نہیں..... نہیں..... جناب میں سمجھتا ہوں۔“
 ”اچھا تو اب اجازت دیجئے۔“ حمید اٹھتا ہوا بولا اور نجی کی طرف دیکھ کر بولا۔ ”اور آپ
 برے ساتھ میرے دفتر تک چلئے..... آپ کا بھی بیان لینا پڑے گا۔“
 ”چلئے..... چلئے!“ نجی اٹھ کھڑی ہوئی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ یہی چاہتی تھی۔
 ”کتنی دیر میں چھٹی ہوگی۔“ سیٹھ نے بے بسی سے پوچھا۔
 ”رات سے پہلے ناممکن ہے۔“ حمید نے کہا..... اور نجی کے ساتھ باہر نکل آیا۔
 ”تو آپ کیپٹن حمید ہیں۔“ نجی نے طویل سانس لے کر پوچھا۔ حمید اُسے اپنی گاڑی کی
 رِف لے جا رہا تھا۔

”جی ہاں.....!“

”تو اتنا بن کیوں رہے تھے؟“

”چلو گھر چھوڑ آؤں..... شام تک سوئی رہنا۔ اب کوئی ڈسٹرب نہیں کرے گا۔“
 ”اس سلسلے میں شکر گزار ہوں..... ورنہ گھر کی بجائے مجھے سیٹھ کی کٹھی جانا پڑتا..... بڑی
 بیات زندگی ہے۔ آگے بڑھنے کے لئے کیا کچھ نہیں کرنا پڑا۔ مگر خوب گھسائی کی آپ نے
 بدی کی۔ وہ کبھی اتنی باتیں نہ کرتا اگر آپ اُس کی تعریف نہ کر دیتے۔“
 ”ادیب ہے بچارہ..... یہ لوگ بھی کچھ کمزوریاں رکھتے ہیں۔“
 وہ ابھی گاڑی میں بیٹھنے بھی نہیں پائے تھے کہ سیٹھ نظر آیا جو لڑھکتا ہوا اُسی طرف چلا آ رہا
 تھا۔ اُس نے ہاتھ اٹھا کر انہیں رکنے کا اشارہ بھی کیا تھا۔

وہ لاش

حمید اس طرح مڑا جیسے اُس کے قریب پہنچنے پر ہاتھ ہی تو گھما دے گا۔

”جی ہاں..... بہت پوچھنے پر اُس نے بتایا تھا کہ آج کل دونوں کا رومان چل رہا ہے۔“
 ”آپ کو اس پر اور زیادہ حیرت ہوئی ہوگی۔“
 ”جی ہاں..... بالکل..... دونوں چھپ چھپ کر ملتے تھے۔“
 ”کیا خیال ہے آپ کا پچھلی رات بھی ایسا ہی ہوا ہوگا۔“
 ”ہوسکتا ہے..... سننے میں آیا ہے آشا اپنی نانی کو یہ کہہ کر لائی تھی کہ ڈائریکٹر نے ظہر
 کیا ہے حالانکہ ایسا نہیں تھا۔ مجھ کو جاوید ہی کے کمرے میں خرابی واقع ہوئی اور شوٹنگ گیارہ بجے
 ہی روک دی گئی۔ آشا یہاں پہنچی اور اپنی نانی سے بھند ہوئی کہ گھر واپس نہیں جائے گی۔ موا
 صاف ہے۔“

وہ خاموش ہو کر فخریہ انداز میں حمید کی طرف دیکھنے لگا۔

”اُف فوہ جناب۔“ حمید نے حیرت سے کہا۔ ”آپ تو واقعی بلا کے ذہین ہیں۔“

”بس اب اسی سے اندازہ کر لیجئے کہ کیا ہوا ہوگا۔“ وہ پرجوش آواز میں بولا۔ ”دونوں
 عقبی پارک کی طرف گئے ہوں گے اور..... آشا کے کسی دوسرے چاہنے والے نے جو پہلے ہی نا
 میں رہا ہوگا..... دونوں پر قاتلانہ حملے کئے..... ہوسکتا ہے جاوید صبح تک بے ہوش پڑا رہا ہو۔“
 ”بس.....!“ حمید ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”یہ سب باتیں پبلک کے سامنے کہنے کی نہیں ہیں۔“
 نجدی خاموش ہو گیا لیکن کچھ دیر قبل کے کھلائے ہوئے چہرے پر سرخی پھوٹی پڑی
 اور آنکھیں چمکنے لگی تھیں۔

دوسری طرف نجی حمید کا کارڈ ہاتھ میں لئے کبھی حیرت سے حمید کی طرف دیکھتی تھی
 کبھی کارڈ کی طرف۔

کچھ دیر بعد حمید نے کہا۔ ”نجدی صاحب آپ کو..... تحریری بیان دینا پڑے گا۔“

”بہت بہتر جناب۔ میں بالتفصیل خود ہی لکھ دوں..... یا آپ لکھیں گے۔“

”لکھئے..... آپ ہی لکھئے..... لیکن وہ ہمارے ہی مطلب کا ہونا چاہئے۔ انسانہ

بننا دیجئے۔“

”لیکن..... میں اپنی ماں کے پیشے سے متنفر تھی۔ مجھے علم حاصل کرنے کا شوق تھا۔ مادر طوائف کی بیٹی تھی اس لئے حصول علم میں مجھے کوئی دشواری پیش نہ آئی۔ ماں بھی کہتی تھی چلو اچھا ہے بڑھ لکھ لوگی تو تمہیں فلمی دنیا تک پہنچنے میں کوئی دشواری پیش نہ آئے گی۔

علم نے میری آنکھیں کھولیں اور میں نے تہیہ کر لیا کہ اپنی محنت سے روزی کماؤں گی۔ ڈگری لینے کے بعد فلم کے چکر میں پڑنے کی بجائے معلّٰی جیسے معزز پیشے کی طرف قدم بڑھایا۔ غیر تربیت یافتہ تھی اس لئے فوری طور پر سرکاری ملازمت نہ مل سکی۔ ایجوکیشن کی ڈگری کے لئے

ای ایڈ میں داخلہ لینا چاہا لیکن پتہ چلا کہ اس کے لئے بھی کم از کم ایک سال کا معلّٰی کا تجربہ ہونا چاہئے تب داخلہ ملے گا۔ میں نے سوچا بہتر یہی ہوگا کہ کسی پرائیویٹ سکول میں ملازمت کی جائے۔ لہٰذا ایک ایسے سکول میں پہنچی جس کا بڑا شہرہ سنا تھا..... ایک ایجوکیشن سوسائٹی اُسے چلا

رہی تھی۔ ہیڈ معلّمہ کے متعلق مشہور تھا کہ بڑی نیک دل خاتون ہیں..... معلّمہ اخلاق سے پیش آئیں اور مجھے مشورہ دیا کہ سوسائٹی کے صدر سے مل لوں، جو خود بھی بڑے اچھے آدمی ہیں۔ میں نے سوچا کون جھنجھٹ کرتا پھرے..... چھوڑو..... اور اپنا یہ خیال ہیڈ معلّمہ پر بھی ظاہر کر دیا۔

ادبویں نہیں ہرگز نہیں۔ میں آپ کو رکھنا چاہتی ہوں۔ اگر آپ تنہا وہاں نہ جانا چاہیں تو میں فوراً چلوں گی آپ کے ساتھ..... تو جناب میں اُن کے ساتھ صدر صاحب کے گھر پہنچی۔ وہ بھی اخلاق سے پیش آئے۔ بہر حال مختصر یہ کہ ملازمت مل گئی۔ صدر بھی اکثر سکول میں تشریف

لائے اور میرے کام کی بے حد تعریف کرتے ہوئے اپنے ذاتی کام بھی میرے گلے لگا جاتے۔ لیڈر قسم کے آدمی تھے۔ تقریریں لکھ کر یا کسی سے لکھوا کر لاتے اور میرے حوالے کرتے کہ اُسے

ٹائپ کر دو۔ میں اچھی خاصی ٹائپسٹ بھی تھی۔ طالب علمی ہی کے دوران میں شوقیہ ٹائپ کا کام کیا تھا۔ ایک اتوار کو انہوں نے گھر بلایا کہ سوسائٹی کی سالانہ رپورٹ ٹائپ کر دوں جسے فوری طور پر پریس میں جانا تھا۔ میں چلی گئی۔ اُن جیسے معمر اور ثقہ آدمی کے لئے میں کوئی بُری بات موقوف بھی نہیں کر سکتی تھی۔ گھر میں سناٹا تھا۔ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ بچے کسی تقریب میں گئے ہوئے

غالباً نجی بھی یہی سمجھی تھی کیونکہ دوسرے ہی لمحے میں اُس نے بوکھلا کر کہا تھا۔ ”بات بڑھائیے گا بہر حال میرے مستقبل کا سوال ہے۔“

سینٹھ قریب پہنچ چکا تھا۔ اُس نے گھگھکیا کر کہا۔ ”جناب..... آج رات کو میری کوٹھی پر فنکشن ہے آپ بھی آجائیے گا اور انہیں بھی لائیے گا۔“ اُس نے اپنا کارڈ حمید کی طرف بڑھایا جو لے لیا گیا۔

”ضرور آؤں گا اور انہیں بھی ساتھ لاؤں گا..... بے فکر رہو.....!“ حمید نے نجی کے لئے گاڑی کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔

”جی بہت بہت شکریہ.....!“ سینٹھ نے کہا اور اُس وقت تک وہیں کھڑا رہا جب تک کہ گاڑی چل نہیں پڑی۔

”کیا خیال ہے؟“ حمید نے اسٹوڈیو کے پھانک سے گذرتے ہوئے پوچھا۔

”بہت اچھا رہا..... اب میں سو سکوں گی۔ اب اس میں اتنی ہمت نہیں کہ آج مجھے دوبارہ پور کر سکے۔ پہلی بار مجھے سائیڈ ہیروئن کا رول مل رہا ہے۔ میں اُسے کسی بھی قیمت پر کھوتا نہیں چاہتی۔“

”اس سے پہلے کیا کرتی رہی تھیں.....!“

”ایکسٹرا..... جس کی کوئی اہمیت نہیں۔ جو محض اس موقع پر خود کو تباہ کرتی رہتی ہے کہ ٹائڈ کبھی کوئی اچھا چانس مل جائے۔“

”پڑھی لکھی معلوم ہوتی ہو۔“

”گر بیویٹ ہوں..... حضرت.....!“

”تعب ہے..... اس کے باوجود بھی۔“

وہ کچھ نہ بولی۔ لیکن چہرے پر ناگواری کے آثار پائے جاتے تھے۔

”بہر حال یہ دنیا ہر اعتبار سے عجیب ہے۔“ حمید تھوڑی دیر بعد بولا۔

”اصلاً میں ایک طوائف کی بیٹی ہوں سمجھے حضور.....!“ اُس نے تلخ لہجے میں کہا۔

”میرے لئے یہ دنیا قطعی عجیب نہیں ہے۔“

ہیں۔ میں نے اس پر بھی کوئی توجہ نہ دی۔ کام کرنے بیٹھ گئی۔ تھوڑی دیر بعد وہ حضرت خدو
میرے لئے چائے لائے۔ مجھے بڑی شرمندگی ہوئی کیونکہ گھر میں کوئی نہیں تھا۔ خود ہی بنائیں
ہوگی۔ بہر حال مجھے چائے پینی پڑی۔ اُس کے بعد کچھ ہوش نہیں کیا ہوا۔ شام پڑے ہوئے
میں آئی تھی اور یہ محسوس کیا تھا کہ جس چیز کی حفاظت کے لئے طوائف کا بالا خانہ چھوڑا تھا
علماء اور شرفاء میں لٹ گئی۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کروں۔ گھر ویران پڑا تھا۔ وہ حضرت
بھی نہ جانے کہاں غائب ہو گئے تھے۔ عجیب کیفیت تھی میری۔ کبھی سارا جسم غصے سے تپ اٹھتا
اور کبھی کبھی مونے مونے آنسو آنکھوں سے ابلنے لگتے۔

بہر حال اس کے بعد اس پیشے پر لعنت بھیج کر سرکاری دفاتر کے چکر کاٹے۔ ایک جا
ٹا پوسٹ کی جگہ مل گئی مگر وہاں بھی چپراسی سے لے کر بڑے صاحب تک سبھی میرے عاشق نظر
آئے۔ ناک میں دم آ گیا۔ نیچے سے اوپر تک وہ کشکش نظر آئی کہ خدا کی پناہ..... وہاں سے مج
بھاگنا پڑا۔ لیکن گھر بسانا میرے بس سے باہر تھا۔ بالا خانے کی طرف واپس جاتی تو وہاں اللہ
مذاق اڑاتا۔ ماں سے پہلے ہی جھگڑا ہو چکا تھا۔ اب میں تھی اور ذہنی کشکش..... اس دوران میں
طرح طرح کے آدمیوں سے سابقہ پڑا۔ پھر انہیں میں سے ایک نے مجھے اس لائن سے روشناس
کرادیا۔

وہ خاموش ہو گئی۔ حمید بھی خاموش تھا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے کہا۔ ”واقعی دکھ ہوا۔“
”کیوں؟“ وہ عجیب سے انداز میں مسکرائی۔

”ہونا ہی چاہئے۔“

”کچھ ایسے بھی ملے تھے جنہوں نے غمخوار بن کر لوٹا ہے پکتان صاحب۔“

”اور اب تم اپنی موجودہ زندگی سے مطمئن ہو۔“ حمید نے پوچھا۔

”کیوں نہ ہوں جناب.....!“ اُس نے سنجیدگی سے سوال کیا۔

لیکن حمید کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں تھا۔

تھوڑی دیر بعد خود نجی ہی نے موضوع بدل دیا۔

”آپ لوگ مردنگ کو آج تک نہ پکڑ سکے۔“

”ہماری معلومات کے مطابق وہ سرحد پار کر گیا ہے۔“ حمید نے لاپرواہی سے شانوں کو
جنش دے کر کہا۔

”میں سوچتی ہوں کہیں اس میں اُسی کا ہاتھ نہ ہو۔“

”آپ اُسے قتل کیوں سمجھ رہی ہیں..... ہو سکتا ہے کوئی درندہ۔“

”پرانی بات ہوئی..... آپ کے چیف کرنل فریدی نے اُسے بعد میں قتل ہی قرار دیا ہے۔“

”میرے لئے نئی اطلاع ہے۔“

”انہوں نے بہترے لوگوں کے سامنے اپنے اس خیال کا اظہار کیا تھا۔ یہ بھی کہا تھا یہ

کسی ایسے جنسی جنونی کی حرکت ہو سکتی ہے جو سیڈ سٹ بھی ہے۔“

”کیا مردنگ ایسا ہی تھا.....؟“

”خدا جانے..... کبھی اُس سے ملنے کا اتفاق نہیں ہوا۔“

قبل اس کے کہ حمید کچھ اور کہتا نجی کی قیام گاہ آ گئی۔

”بہت بہت شکریہ۔“ وہ گاڑی سے اترتی ہوئی بولی ”سیڈھ کے فنکشن کی کیا رہی۔“

”تو کیا سچ عجیب تم اُس پر بھی ظاہر کرنا چاہتی ہو کہ تم نے سارا وقت میرے ساتھ گزارا ہے۔“

نجی نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ”میں یہی ظاہر کرنا چاہتی ہوں۔“

”اچھا..... بالی بالی۔“ حمید ہاتھ ہلا کر بولا اور گاڑی آگے بڑھ گئی۔

اُس کے ذہن پر بھی غنودگی کے بادل چھا رہے تھے۔

پھر وہ گھر پہنچتے ہی ڈھیر ہو گیا تھا۔ لباس تبدیل کرنے کی بھی زحمت گوارا نہیں کی تھی۔

خواب میں آشاک لاش اور نجی راجن اُس کا تعاقب کرتی رہی تھیں کبھی کبھی نجی کا چہرہ

بھی دھندلکوں سے ابھرتا اور غائب ہو جاتا۔

پھر ایک عجیب سی آواز سونی ہوئی قوت سامعہ سے ٹکرائی تھی اور آنکھیں کھل گئیں تھیں۔

کربانے رکھی ہوئی ٹائم پیس گھڑی کا الارم جیج رہا تھا۔ بوکھلا کر اٹھ بیٹھا۔ گھڑی چار بج رہی تھی۔

یہ کم بخت سرہانے کہاں ہے آئی۔ گھڑی میں الارم لگا کر سونے سے زیادہ بڑی حمائش اُس کی نظروں میں اور کوئی نہیں تھی۔

ہاتھ بڑھا کر الارم بند کیا اور کسی نوکر کو طلب کرنے کے لئے گھنٹی بجائی۔ شرفی آیا تھا اور اُس کے چہرے پر جھنجھلاہٹ دیکھ کر مسکرایا بھی تھا۔ ”کیوں بے..... یہ؟“ حمید نے آنکھیں نکال کر گھڑی کی طرف سرگھمایا۔ ”صاحب نے کہا تھا..... چار بجے کا الارم لگا کر سرہانے رکھ دو.....؟“

”ہوں.....!“ حمید سر ہلا کر اُسے گھورتا ہوا بولا۔ ”اٹھالے جا..... ورنہ تیرے سر ہی پر توڑ دوں گا۔“

شرفی نے گھڑی اٹھائی اور کمرے سے نکل گیا۔

پائپ میں تمباکو بھرتے وقت اُس نے سوچا کوئی عورت یہی کام اس طرح انجام نہ دیتی۔ اللہ میاں کے کام حکمت سے خالی نہیں ہوتے۔ مرد ہی میں کوئی خانہ ایسا بھی بنا سکتے تھے کہ عورت کے بغیر بھی تو والد و تناسل کا سلسلہ قائم رہتا۔ لہذا نہایت منحوس ہے وہ گھر جہاں کوئی عورت نہ ہو۔

اُس نے پھر گھنٹی بجائی۔ اس بار دوسرا ملازم آیا تھا۔

”میں اس وقت کافی بیویوں گا۔“ حمید نے اس طرح کہا تھا جیسے اُسے گالی دی ہو اور وہ سر ہلا کر رخصت ہو گیا تھا۔

ایک بیک فون کی گھنٹی بجی اور ریسپور اٹھا کر ماؤتھ پیس میں دباڑا۔ ”ہالو.....!“

”سوا چار بجے ہیں۔“ دوسری طرف سے فریدی کی آواز آئی۔

”ٹائم پیس تو اب اس پوزیشن میں نہیں کہ وقت بتا سکے۔“

”کیا.....؟“ دوسری طرف سے آواز آئی۔ ”تم نے اُسے توڑ دیا..... جانتے ہو لاڑ“

ولنگٹن نے میرے دادا کو تحفہ پیش کی تھی۔“

”اب آپ کسی چڑیا گھر کیلئے مجھے تحفہ پیش کر دیجئے۔“ حمید اوپری ہونٹ بھیج کر بولا۔ ”بکواس مت کرو..... تمہیں ٹھیک پانچ بجے مردہ خانے پہنچنا ہے۔“

”اگر براہ راست قبرستان پہنچ جاؤں تو آپ کو کیا اعتراض ہوگا۔“

”سٹ اپ.....!“ دوسری طرف سے سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔ ریسپور رکھ کر اُس نے طویل انگڑائی لی۔

بہر حال بستر کو خیر باد کہنا پڑا تھا۔

کچھ دیر بعد شیو کرتے وقت پھر فون کی گھنٹی بجی۔

”ہیلو.....!“ وہ ریسپور اٹھا کر ماؤتھ پیس میں غرایا۔

”کون صاحب ہیں؟“ دوسری طرف سے آواز آئی۔

”کس سے ملتا ہے۔“

”کیپٹن حمید سے؟“

”میں ہی بول رہا ہوں..... فرمائیے؟“

”میں راجن ہوں۔“

”اوہ..... راجن صاحب..... کہئے کہئے۔“

”آپ کس نتیجے پر پہنچے؟“

”ابھی تک صرف الجھن میں ہوں۔ میرے خیال سے تو کسی نتیجے پر آپ ہی کو پہنچنا

چاہئے۔“

”کس نے مجھے انجکشن دیا تھا..... اور کیوں؟“

”کسی بزرگ کا قول ہے کہ اپنی جوئیں خود مارو۔“

”مذاق نہیں کیپٹن..... میں سخت الجھن میں ہوں؟“

”کیا آپ کو اپنے خلاف کسی سازش کا احتمال ہے؟“

”قطعی نہیں۔“ دوسری طرف سے آواز آئی۔ ”اسی لئے تو الجھن میں ہوں۔“

”آپ نے شری متی جی سے اس کا تذکرہ کیا تھا؟“

”کیسے کر سکتا ہوں..... آپ بھی کمال کرتے ہیں۔“

”پھر بتائیے..... میں کیا کروں؟“

”آپ مجھ سے پوچھ رہے ہیں۔“

”کیا میں شری متی جی سے اس سلسلے میں پوچھ گچھ کر سکتا ہوں۔“

”ہرگز نہیں..... میری ایکٹنگ کا بھانڈا اچھوٹ جائے گا..... ہرگز نہیں۔“

”یارتو پھر میں کیا کر سکتا ہوں؟“ حمید جھنجھلا کر بولا۔

”کچھ کیجئے..... کچھ کیجئے..... ورنہ..... میں.....؟“

”اچھا..... اچھا..... کچھ کروں گا۔ فی الحال اجازت دیجئے۔“ حمید نے ریسیور کرپٹل پر

دے مارا۔

پھر شیو کر کے غسل خانے کی راہ لی۔

کافی کی میز پر شرفو سے پوچھ رہا تھا۔ ”اگر تیری شادی کرا دی جائے تو کیسی رہے۔“

”اب میری شادی کی عمر ہے صاحب؟“

”شادی اور حصول علم کے لئے کسی عمر کا تعین نہیں کیا گیا۔“

”اچھا تو چلئے حصول علم کر لوں گا.....!“ شرفو سر ہلا کر بولا۔

”اس گھر کے کتے بھی بقرطاط ہیں.....“ حمید نے بُرا سامنہ بنا کر کہا۔

”صاحب آپ خود ہی کیوں نہیں کر لیتے شادی، دوسروں کو بور کرنے سے کیا فائدہ۔“

شرفو نے اُس سے بھی زیادہ بُرا منہ بنا کر کہا۔

”اچھا..... اچھا.....!“ حمید سر ہلا کر بولا۔

وہ سوچ رہا تھا کہ آخری فریدی نے مردہ خانے میں کیوں بلایا ہے۔ کیا اور کوئی لاش بچ

ہے۔

حمید نے سب سے پہلے اُسے فیاض نجدی اور نجمی کے متعلق بتایا۔ پھر پوچھنے لگا کہ مردہ خانے میں کیا ہے؟

”کیا ہوتا ہے مردہ خانے میں۔ وہ ٹائی جاوید ہی کی ثابت ہوئی ہے۔ لیکن ابھی تک کوئی

ایسا نہیں ملا جس سے یہ معلوم ہو سکا ہو کہ وہ دونوں کھلم کھلا ملتے ہوئے بھی پائے گئے ہوں.....

ادوب خاموش رہو۔ وہ آگئی؟“

حمید نے مڑ کر دیکھا۔ آشا کی نانی کسی دوسری عورت کا سہارا لئے ریسیپشن روم میں

داخل ہو رہی تھی۔

فریدی اٹھ گیا اور آگے بڑھ کر بولا۔ ”تکلیف دہی کی معافی چاہتا ہوں محترمہ لیکن یہ بہت

ضروری تھا۔ میرے ساتھ آئیے۔“

آشا کی نانی کچھ نہ بولی۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ گھسٹی ہوئی چل رہی ہو۔ وہ مردہ خانے

میں آئے۔ فریدی ایک ٹرائی کے قریب رک گیا۔ لاش چادر سے ڈھکی ہوئی تھی۔ لیکن ہاتھ اور

پیر کھلے ہوئے تھے۔ فریدی کے کہنے کے مطابق بوڑھی عورت نے آگے بڑھ کر انہیں دیکھنا

شروع کیا۔

”نہیں.....!“ وہ کچھ دیر بعد کپکپاتی ہوئی آواز میں بولی۔ ”یہ آشا نہیں ہو سکتی..... ہرگز

نہیں..... پیروں کی بناوٹ..... ہاتھوں کی بناوٹ۔“ وہ خاموش ہو کر آگے پیچھے جھولنے لگی۔

فریدی نے آگے بڑھ کر داہنے ہاتھ سے سنبھال لیا۔ ورنہ فرش ہی پر آئی ہوتی۔ وہ بیہوش ہو چکی

تھی۔

لفافہ

فریدی نے اُسے ہاتھوں پر سنبھالے ہوئے حمید سے کہا۔ ”جاؤ..... اسٹریچر بھجواؤ۔“

”یہ اطلاع غلط بھی ہو سکتی ہے۔“

”تو پھر..... میں کیا کر سکوں گا؟“

”اس سے ملو..... شاید کوئی خاص بات معلوم ہو سکے۔“

”اندھیرے میں تیر پھینکنے سے کیا فائدہ..... ظاہر ہے کہ اب وہ اُس سے جذباتی طور پر

بھی بے تعلق ہو چکی ہوگی۔ اُسے اپنے بدبودار لباس سے ہمدردی تھی لیکن اُس کا فراڈ ظاہر

ہو جانے کے بعد اُسے اپنے جذبہ ہمدردی سے بھی نفرت ہو گئی ہوگی۔“

”ماہر نفسیات ہو رہے ہو آج کل۔“

حمید گردن اکڑا کر پائپ میں تبا کو بھرنے لگا۔

فریدی کچھ دیر خاموش رہ کر بولا۔ ”اُس سے ضرور ملو۔“

”اُس سے مل کر ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے روکھا پھیکا چکن سوپ بھائے صحت کے لئے

زبردستی زہر مار کر رہا ہوں۔“

”بکومت جاؤ.....!“ فریدی گھڑی دیکھتا ہوا بولا۔

”ابھی.....!“

”اسی وقت.....!“

فٹ ہاربر کالونی تک پہنچنے کے لئے ایک ایسے علاقے سے بھی گزرتا پڑتا تھا جہاں خشک

نچیلوں کی بدبودار پھاڑ کر رکھ دی جاتی تھی۔

بہر حال جانا ہی تھا۔ لیکن سوال تھا ”تقریب..... بہر ملاقات کا؟“

وہ کوئی فلرٹ تو تھی نہیں کہ اُسے نعمت غیر مترقبہ سمجھ کر آنکھوں پر بٹھاتی۔ شریف لڑکیوں

سے وہ بے حد بور ہوتا تھا۔ جیسی تو شریف ترین تھی۔

”لیکن جناب۔“ حمید تھوڑی دیر بعد بولا۔ ”آخر اُس سے کس سلسلے میں ملا جائے۔“

”تمہیں وہ رات یاد ہے تاجب مردنگ نے جھلا کر تمہیں بھی موت کے گھاٹ اتارنے

کی کوشش کی تھی۔“

حمید نے ڈیوٹی ڈاکٹر سے اسٹریچر بھجوانے کیلئے کہا اور پھر مردہ خانے کی طرف واپس آ گیا۔
تو وہ آشنا نہیں تھی؟ حمید نے پہلے لاش دیکھی ہوتی تو شاید وہ بھی کوئی خیال قائم کر سکتا۔
بہر حال وہ جو بھی تھی آشا کے قد اور جسامت سے مطابقت رکھنے ہی کی بناء پر کام میں لائی گئی
ہوگی۔ چہرہ قابل شناخت نہ رہنے دیا گیا ہوگا۔ وہ سوچتا رہا۔

آدھے گھنٹے سے پہلے فریدی سے گفتگو کرنے کا موقع نہ مل سکا۔

”یہ کیا ہو گیا.....؟“ حمید نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

”میں پہلے ہی مطمئن نہیں تھا۔“

”کیا چہرہ قابل شناخت نہیں تھا۔“

”ہوں؟ لیکن جلدی میں وہ ہاتھوں اور پیروں کے متعلق کچھ نہیں کر سکا تھا؟“

”کون؟“

فریدی نے کوئی جواب نہ دیا۔ پر تھکرا انداز میں اُس کی آنکھوں میں دیکھتا رہا۔

وہ ریسپشن روم میں بیٹھے تھے۔ تھوڑی دیر بعد میٹرن نے اطلاع دی کہ آشا کی نانی

ہوش میں آ گئی ہے۔

”ایک نرس کی نگرانی میں اُسے گھر بھجوا دیا جائے۔“ فریدی نے کہا۔

میٹرن واپس چلی گئی اور حمید جھنجھلا کر بولا۔ ”پھر ہم یہاں بیٹھے کیوں جھک مار رہے

ہیں۔“

”فضول باتیں نہ کرو..... تمہیں وہ لڑکی یاد ہے۔“

”مجھے ہر لڑکی زبانی یاد ہے۔“

”شمبوسیدھ کی سیکریٹری۔“

”ہوں..... اُس..... لیکن وہ کیسے یاد آ گئی۔“

”میں مردنگ کے امکانات پر غور کر رہا ہوں۔“

”مگر وہ تو سرحد پر کر گیا تھا؟“

”اچھی طرح یاد ہے۔“

”کیا وہ محض اتفاق تھا..... یا میں نے ہی اُس کے لئے وہ مواقع فراہم کئے تھے۔“

”میں درجہ سوئم (الف) کا طالب علم نہیں ہوں۔ جو کچھ کہنا ہو جلدی سے کہہ گذریئے۔“

اختلاج ہو رہا ہے۔“

”میں اس بار پھر..... خیر جانے دو..... مت جاؤ..... کچھ نہیں! میں خود ہی دیکھ لوں گا۔“

”آگئی شامت۔ میں عرض کر رہا تھا حضور والا کہ میں اس خدمت کی انجام دہی سے گریز

نہیں کر رہا۔ بس تھوڑی سی وضاحت چاہتا تھا۔ دیئے اس کے بغیر بھی چلا جاؤں گا۔ پاس پڑوس

میں یقیناً کوئی نہ کوئی ایسی نکل ہی آئے گی کہ میں دوبارہ بھی وہاں جاسکوں۔“

فریدی ہاتھ ہلا کر جانے کا اشارہ کرتا ہوا دوسری طرف مڑ گیا۔

کچھ دیر بعد حمید کی گاڑی فش ہاربر کالونی کی طرف جاری تھی اور وہ سوچ رہا تھا کہ اگر

مرنے والی آشنا نہیں تھی تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ آشنا تو خود ہی کہیں روپوش ہوگئی ہے۔ پھر

قاتل کے قبضے میں ہوگی۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر مقصد اغواء تھا تو اُس کی پردہ پوش

کے لئے ایک قتل کیوں ہوا۔ اس کا مطلب تو یہی ہو سکتا ہے کہ اغواء کرنے والا کوئی جانا بوجہ

آدمی ہے جو اچھی طرح سمجھتا ہے کہ آشنا کے غائب ہو جانے پر پولیس اُس پر شبہ کر سکتی ہے۔

اگر وہ مردنگ ہی ہے تو اس سلسلے میں جینی پر نظر رکھنے سے کیا فائدہ۔ ظاہر ہے کہ اب وہ جینو

سے قطعی طور پر بے تعلق ہو چکا ہوگا۔ پھر فریدی نے اُسے جینی سے رابطہ قائم رکھنے کی ہدایت

کیوں دی ہے؟ وہ سوچتا رہا۔ آخر مقتول کون ہے؟ کیا اُس کا تعلق بھی ناردرن اسٹوڈیو سے تھا؟

اگر تھا تو ابھی تک کسی اور کے غائب ہونے کی اطلاع کیوں نہیں ملی۔ ہو سکتا ہے کہ آشنا والی غلا

فنی رفع ہو جانے کے بعد یہ بھی معلوم ہو سکے کہ مقتول کون تھی؟ لیکن کیا فریدی اس سٹیج پر بہ

ظاہر کرنا مناسب سمجھ گا کہ وہ آشاک لاش نہیں تھی؟

ہو سکتا ہے کہ وہ اس سلسلے میں آشاک کی نانی اور اس کے ساتھ والی دوسری عورت کو زہاں

بندی رکھنے کی ہدایت دے۔

گاڑی فش ہاربر کالونی میں داخل ہو رہی تھی۔ اُس نے سوچا کہ براہ راست جینی کے گھر

کے سامنے ہی رکنا مناسب نہ ہوگا۔ لہذا اُس نے ایک جگہ گاڑی روک دی اور اتر کر پیدل ہی

جینی کے گھر کی طرف چل پڑا۔ سوچ رہا تھا کہ اُس سے کس طرح رابطہ قائم کرے گا۔ کیونکہ یہ

بھی چاہتا تھا کہ اس کی ماں کو کسی بات کا علم نہ ہو سکے۔

گھر کے قریب پہنچ کر اُسے چلتے چلتے رک جانا پڑا۔ کیونکہ برآمدے میں کچھ سرکاری قسم

کی شکلیں نظر آئی تھیں۔ اُن میں سے ایک سب انسپکٹر تھا اور دو کانٹیل..... ان کے علاوہ بھی

نئی آدمی تھے۔ ہو سکتا ہے جینی کے پڑوسی رہے ہوں۔ انداز سے یہی معلوم ہوتا تھا جیسے سب

انسپکٹر اُن میں سے کسی کا بیان لے رہا ہو۔

حمید آگے بڑھا۔ سب انسپکٹر صورت آشنا معلوم ہوتا تھا۔ جیسے ہی اُس کی نظر حمید پر پڑی

کری چھوڑ کر کھڑا ہو گیا۔

”آئیے جناب.....!“ اُس نے مسکرا کر کہا۔ ”اچھا ہی ہوا کہ معاملہ آپ تک پہنچ چکا ہے؟“

”تشریف رکھئے۔ میں نہیں سمجھا آپ کیا کہہ رہے ہیں۔“

ایک کانٹیل نے اپنی کری حمید کے لئے کھسکائی۔

”تشریف رکھئے۔“ سب انسپکٹر نے کری کی طرف اشارہ کیا۔

”ٹھیک ہے..... ٹھیک ہے۔“ حمید بیٹھتا ہوا بولا۔ ”کیا قصہ ہے؟“

”اوہ..... میں سمجھا تھا شاید معاملہ آپ لوگوں کے سپرد کر دیا گیا ہے؟“

”کیسا معاملہ..... میں کچھ نہیں جانتا۔“

”جینی پرسوں سے غائب ہے..... مردنگ والے کیس میں گواہ کی حیثیت رکھتی تھی۔“

”غائب ہے۔“ حمید نے حیرت سے کہا۔ ”میں دراصل اسی سلسلے میں اُس سے کچھ

پوچھنا چاہتا تھا۔“

”پرسوں صبح مارکیٹ گئی تھی..... پھر واپس نہیں آئی۔“

”اوہ.....!“ حمید سوچ میں پڑ گیا۔ وہ جلد سے جلد فریدی کو اس کی اطلاع دینا چاہتا تھا

”کیا کام کرتی تھی؟“

”ہائپس تھی۔“

”یہ ملازمت کیسے ملی تھی۔“

”آسامی کے اشتہار دیکھ کر عرضی دی تھی۔ پھر انٹرویو میں گئی اور کامیاب رہی۔“

”کیا تنخواہ ملتی تھی۔“

”دو سو پچھتر۔“

”کسی ملنے جلنے والے کا نام اور پتہ بتا سکتی ہیں۔“

”میرا خیال ہے کہ وہ صرف اپنے کام سے کام رکھتی تھی۔ یہاں تو آج تک اُس کا کوئی والا آیا ہی نہیں۔“

”میں جانتا ہوں کہ جینی ایک اچھی لڑکی ہے؟“

”شکریہ۔“ اُس کی ماں کی آواز غمگین ہونے کے باوجود بھی غرور کی جھلکیاں رکھتی تھی۔

”اپنی موجودہ ملازمت کے بارے میں اُس کا کیا خیال تھا۔“

”اس سلسلے میں اُس نے کبھی کوئی گفتگو نہیں کی۔“

”آپ نے تو بہر حال معلوم کرنا چاہا ہوگا۔“

”قدرتی بات ہے۔“

”پھر.....!“

”اگر کام اُس کی طبیعت کے خلاف ہوتا تو وہ کچھ ہی دنوں کے بعد اُسے ترک کر دیتی۔“

”لایک کہا جاسکتا ہے کہ وہ مطمئن تھی۔“

”آپ نے اُسے پچھلے دنوں کبھی خوفزدہ بھی دیکھا تھا؟“

”جی نہیں۔“ وہ اُسے غور سے دیکھتی ہوئی بولی۔

”حمید خاموش ہو گیا۔ لیکن وہ خود ہی بولی۔ ”میں آپ کے اس سوال کا مطلب نہیں سمجھی۔“

”ہوسکتا ہے کسی نے اُسے کسی قسم کی دھمکی دی ہو۔“

اور اُسے یاد آیا کہ جینی نہ صرف آشنا کا ساتھ رکھتی تھی بلکہ اُس کی جسامت بھی تقریباً ویسا ہی تھی۔ بال بنانے کا اسٹائل بھی آشنائی کا سا تھا۔ تو کیا وہ لاش جینی ہی کی تھی۔

”لڑکی کی ماں گھر پر موجود ہے؟“ حمید نے پوچھا۔

”جی ہاں.....!“

”میں اُس سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں؟“

”ٹھہریے۔“ سب انسپکٹر اٹھتا ہوا بولا۔ اُس نے دروازے پر دستک دی۔ اندر سے ایک

نسوانی آواز آئی اور وہ دروازہ کھول کر اندر چلا گیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ واپس آیا اور بولا۔ ”تشریف لے جایئے۔ اُس کی حالت ابتر ہے۔“

حمید ہلکھارتا ہوا نشست کے کمرے میں داخل ہوا۔ سامنے ایک ادھیڑ عمر کی قبول عورت

عورت بیٹھی تھی۔ آنکھیں متورم نظر آ رہی تھیں اور چہرے پر عجیب سی غم آلود مری پائی جاتی تھی۔

وہ اُسے دیکھتے ہی اٹھ گئی۔

”بیٹھے..... بیٹھے۔“ حمید ہاتھ ہلا کر بولا۔ ”مجھے افسوس ہے کہ ایک بار پھر آپ کو الجھنوں

سے دوچار ہونا پڑا۔“

وہ کچھ نہ بولی۔ خاموشی سے حمید کی طرف دیکھتی رہی۔

”جی نہیں۔ ایسی کوئی بات نہیں۔“ بھرائی ہوئی آواز میں جواب ملا۔

”کیا مارکیٹ جاتے وقت آپ نے اُس کی زبان سے کوئی غیر معمولی بات سنی تھی۔“

”جی نہیں..... سب کچھ معمول کے مطابق تھا۔ سوچا بھی نہیں جاسکتا تھا کہ وہ واپس نہ

آئے گی۔“

”ان دنوں کہاں کام کر رہی تھی۔“

”سنسار پبلیٹی بیورو کے لئے کام کر رہی تھی۔“

”اوہ..... اُس کا دفتر کہاں ہے؟“

”سے پول ہوٹل میں۔“

”میں اب بھی نہیں سمجھی۔“ وہ اکتائے ہوئے لہجے میں بولی۔

”دیکھئے۔ جیسی ایسی لڑکی نہیں جو خود سے ایسا کوئی قدم اٹھا سکے۔ کسی اور کی فریاد کی بات دوسری ہے۔ ہو سکتا ہے وہ ایسے کسی آدمی کا علم رکھتی ہو جس سے اُسے خدشہ تھا۔“

”خدا جانے کیا ہوا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا۔ کیا کروں؟“

”فکر نہ کیجئے! سب ٹھیک ہو جائے گا۔“ حمید نے کہا۔ ویسے اُس کا یہی دل چاہتا تھا کہ اُسے سیدھے سول ہسپتال لے جائے اور وہ لاش اُسے بھی دکھائے۔ لیکن اس خیال سے خائف رہا کہ کہیں فریدی اُسے ناپسند نہ کرے۔

اب وہ جلد از جلد اُسے اس واقعہ کی اطلاع دینا چاہتا تھا۔

”اچھی بات ہے محترمہ۔“ وہ اٹھتا ہوا بولا۔ ”حتی الامکان کوشش کی جائے گی۔“ برآمدے میں آیا۔ سب انسپکٹر اُسے متفسرانہ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ لیکن وہ اُس سے مرزا مصافحہ کر کے برآمدے سے بھی گذر گیا۔

اب اُس کی گاڑی پھر سول ہسپتال کی طرف جارہی تھی۔ لیکن ضروری نہیں تھا کہ وہ ابھی وہیں ملتا۔ اس لئے ایک جگہ گاڑی روک کر اتر آیا اور ایک قریبی رستوران سے سول ہسپتال فون کیا۔ دوسری طرف سے اطلاع ملی کہ فریدی ابھی وہیں موجود ہے۔ اس سے وہیں رکے کہہ کر پھر گاڑی میں آ بیٹھا۔

کچھ دیر بعد فریدی یہ نئی کہانی سن رہا تھا۔

”ہوں.....!“ بات ختم ہونے پر اُس نے طویل سانس لی۔ ”قبل اس کے کہ اس کی کو کارروائی شناخت کے لئے بلایا جائے میں اس پبلٹی بیورو کے متعلق بھی کچھ معلوم کرنا مناسب سمجھوں گا۔“

پھر وہ مے پول ہوٹل کی طرف روانہ ہو گئے۔ رات کے آٹھ بج رہے تھے۔ سردی آ چھلی رات سے بھی زیادہ تھی اور شہر کی سڑکیں ابھی سے ویران ہونے لگی تھیں۔ زیادہ تر دکان بند ہو چکی تھیں۔

مے پول ہوٹل کے کاؤنٹر پر سنسار پبلٹی بیورو کے متعلق جو اطلاع ملی کم از کم حمید کے لئے غیر متوقع نہیں تھی۔ وہ راستے بھر سوچتا آیا تھا کہ اب شاید ہی وہاں اس نام کا کوئی آفس وجود ہو۔

کاؤنٹر کلرک نے بتایا کہ اُس کا دفتر پرسوں ہی کہیں منتقل ہو چکا ہے۔

”اور جناب۔“ کاؤنٹر کلرک نے کہا۔ ”کیا آپ مجھے اپنا نام بتا سکیں گے۔“

”کیوں؟ کیا یہ ضروری ہے۔“ فریدی نے پوچھا۔

”فیجر صاحب کا حکم ہے کہ اگر کوئی سنسار والوں کے متعلق کچھ پوچھے تو نام معلوم کر کے میں اطلاع دی جائے۔“

فریدی نے اُس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے جیب سے اپنا کارڈ نکال کر اُس کی طرف ہادیا۔ نام پڑھ کر اُس نے فون پر کسی کو اطلاع دی اور فریدی سے بولا۔ ”فیجر صاحب کے رے میں تشریف لے جائیے جناب۔“

”اوہ..... اچھا..... اچھا۔“

وہ دونوں منبر کے کمرے کی طرف بڑھے۔ فیجر راہداری کے سرے پر موجود تھا۔ ”اوہ کرنل صاحب..... آئیے آئیے..... جناب۔“ وہ مصافحہ کرتا ہوا بولا۔ ”اندر تشریف لے چلے۔ سنسار والے بڑی جلدی میں تھے۔ بہر حال آپ نے مجھ پر اعتماد کیا اس لئے شکر گزار ہوں جناب۔“

”میں نہیں سمجھا۔“

”اوہ وہ آپ کے کچھ کاغذات میرے سپرد کر گئے تھے کہ جب آپ تشریف لائیں آپ اُسے دیئے جائیں۔ انہوں نے بتایا کہ یہ آپ ہی کی ہدایت پر کیا جا رہا ہے۔“

”اچھا.....!“ فریدی کے لہجے میں حیرت تھی۔ ”لیکن وہ گئے کہاں؟“

”یہ تو نہیں بتایا..... ویسے کہہ رہے تھے کہ انہیں دفتر کیلئے کوئی اچھی سی جگہ مل گئی ہے۔“

”ضرور مل گئی ہوگی۔“ فریدی سر ہلا کر بولا۔ ”کاغذات۔“

جلد نمبر 30

”سکرہ کب سے اُن کے قبضے میں تھا۔“

”یہی دو ڈھائی ماہ سے..... رجسٹر دیکھے بغیر صحیح تاریخ نہ بتا سکوں گا۔“

حمید نے پشتو میں فریدی سے کہا۔ ”حضور والا کہیں اُس لفافے میں کوئی آتشگیر مادہ نہ ہو۔“

”اوہ.....!“ فریدی چونک کر اُس کی طرف مڑا اور فیجر بھی کچھ ایسے انداز میں حمید کو

دیکھنے لگا جیسے اُس نے کوئی بات اُس کے خلاف کہی ہو۔

فریدی نے ”سنگر پرنٹ سیکشن کے انچارج کو کچھ ہدایات دیں اور نیچے ڈائٹنگ ہال کی

طرف چل پڑا۔ فیجر اور حمید اُس کے ساتھ چل رہے تھے۔

ہال میں فریدی نے ایک خالی کیمین منتخب کیا۔

”اب میں اجازت چاہوں گا۔“ فیجر نے کہا۔

”تعاون کا بہت بہت شکریہ۔“ فریدی مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھاتا ہوا بولا۔ اُس کے

پلے جانے کے بعد وہ کیمین میں آ بیٹھے..... اور فریدی نے حمید سے کہا۔ ”کاؤنٹر سے گھر پر فون

کر دو..... کھانا ہم نہیں کھائیں گے۔“

”اور واپسی.....!“

”گھر فون کرنے کا مطلب یہی ہے کہ واپسی ضروری نہیں۔“

”لیکن میں اپنے متعلق یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ ضرور واپس جاؤں گا۔“

فریدی بے تعلقی سے دوسری طرف دیکھنے لگا۔ حمید کیمین سے نکل کر کاؤنٹر پر واپس آیا۔

تھوڑی دیر بعد گھر سے رابطہ قائم ہو سکا۔ فون انگیج تھا۔

دوسری طرف سے کوئی ملازم بولا۔ ”ڈی آئی جی صاحب کا فون تھا۔ انہوں نے کہا ہے

مجھے ہی صاحب آئیں انہیں فون کر لیں۔“

حمید نے اُسے اطلاع دی کہ وہ رات کا کھانا گھر پر نہیں کھائیں گے اور سلسلہ منقطع

کر دیا۔ پھر کیمین میں واپس آ کر ڈی آئی جی صاحب کا پیغام سنایا۔ فریدی پلکیں جھپکائے بغیر

اُسے گھورے جا رہا تھا۔

”جی ہاں..... ابھی پیش کرتا ہوں۔“

وہ فیجر کے آفس میں داخل ہوئے اور فیجر نے تجوری سے ایک سیل کیا ہوا لفافہ نکال کر

فریدی کی طرف بڑھا دیا۔

دھمکی

پھر کچھ دیر بعد سنگر پرنٹ سیکشن کے لوگ اُس کمرے میں جہاں سنسار سیلٹی بیورو کا دفتر

تھا انگلیوں کے پوشیدہ نشانات تلاش کر رہے تھے اور حمید سوچ رہا تھا کہ آخر اُس لفافے میں کیا

ہے جو فریدی نے سے پول کے فیجر سے لے کر اپنے کوٹ کی اندرونی جیب میں رکھ لیا تھا۔

کمرے کے باہر اُن کے ساتھ فیجر بھی موجود تھا اور اُس کے چہرے پر اضطراب کی

لہریں تھیں۔

”یہاں اس آفس میں کتنے آدمی کام کرتے تھے۔“ فریدی نے فیجر سے پوچھا۔

”میں نے دو کے علاوہ کسی تیسرے کو نہیں دیکھا۔“ فیجر نے طویل سانس لے کر کہا۔

”میں نہیں سمجھ سکتا کہ آپ اس کمرے سے اتنی دلچسپی کیوں لے رہے ہیں۔“

”کوئی خاص بات نہیں۔ ضمنی سی کارروائی ہے۔ اُن لوگوں نے میرے پورے کاغذات

واپس نہیں کئے..... اچھا اُن دونوں کے متعلق ہی کچھ بتائیے۔ میری مراد ہے اُن کے حلقے۔“

”ایک لڑکی تھی جو غالباً اسنو تھی۔ اور ایک مرد..... بھاری جسم کا پستہ قد آدمی، ناک

بھدی اور پھولی ہوئی تھی۔ مونچھیں اتنی گھنی تھیں کہ نہ صرف اوپری ہونٹ بلکہ نچلے ہونٹ کا بچہ

حصہ بھی چھپ کر رہ گیا تھا۔ نرم گفتار اور بے حد شائستہ تھا۔ لڑکی بھی باسلیقہ اور شریف معلو

ہوتی تھی۔“

”خیریت۔“ حمید بغلیں جھانکتا ہوا بولا۔ وہ اس انداز سے بخوبی واقف تھا۔ فوراً سمجھ گیا کہ اُس سے کوئی زبردست غلطی سرزد ہوئی ہے۔

فریدی کچھ کہے بغیر اٹھ گیا۔ موڈ بے حد خراب تھا۔

حمید طویل سانس لے کر کرسی کی پشت گاہ سے نکل گیا اور فریدی کو کیمین سے باہر جانے دیکھتا رہا۔ وہ غالباً ڈی آئی جی کو فون کرنے گیا تھا۔ واپسی تین یا چار منٹ بعد ہوئی۔ اُس نے دروازے پر کھڑے ہوئے ویٹر سے کہا۔ ”اپنا نمبر بتا دو..... میں تمہیں بلالوں گا۔“

ویٹر اپنا نمبر بتا کر چلا گیا۔ فریدی کیمین میں داخل ہوا۔ حمید نے محسوس کیا کہ اُس کے ہوا میں ذرہ برابر بھی تبدیلی نہیں واقع ہوئی۔

وہ بیٹھ کر کچھ دیر تک پھر اُسے خاموشی سے گھورتا رہا اور یک بیک بولا۔ ”راجن بابو کو کب سے جانتے ہو۔“

”کیا مطلب.....؟“ حمید چونک پڑا۔

”میری بات کا جواب دو۔“ فریدی کا لہجہ سخت تھا۔ حمید کو جھرجھری سی آئی پھر وہ بھی کی قدر جھنجھلاہٹ کا شکار ہو گیا۔

”سب سے پہلے میں معلوم کروں گا کہ اس سوال کا مقصد کیا ہے۔“

”مقصد.....!“ فریدی تلخ سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ ”تم نے ٹھیک ہی کہا تھا۔ لفافے میں آنے کا تشکیر مادہ تھا۔“

”ہوگا.....؟“ حمید نے لاپرواہی سے کہا اور ہاتھ بڑھا کر کیمین کا پردہ ہٹاتے ہوئے ہال میں دیکھنے لگا۔ لیکن راجن بابو کے نام پر وہ حقیقتاً الجھن میں مبتلا ہو گیا تھا۔ پچھلی رات کے واقعات ایک بار پھر ذہن میں چکرانے لگے۔

پردہ چھوڑ کر وہ فریدی کی طرف مڑا۔ لیکن اُس سے پہلے کہ اُس سے آنکھیں چار ہونٹا سامنے رکھی ہوئی ایک پوسٹ کارڈ ساز کی تصویر نے اپنی طرف توجہ مبذول کرائی۔

پھر تو ایسا محسوس ہوا جیسے کرسی میں برقی رو دوڑا دی گئی ہو۔ سارا جسم جھنجھٹا اٹھا۔ تصویر

راجن بابو کی خواب گاہ کی تھی۔ پس منظر میں وہ مسہری پر آنکھیں بند کئے پڑا تھا اور سامنے نمی اور حید تھے۔ مگر اس حال میں کہ اُن دونوں کے چہرے کیمرے کے سامنے تھے۔ نمی کی آنکھیں بند تھیں اور حمید کی نیم وا۔

اُس نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے فریدی کی طرف دیکھا اور بھرائی ہوئی آواز میں بدقت کہہ سکا۔ ”خدا کی قسم یہ فراڈ ہے؟“

”دنیا کا ماہر ترین آدمی بھی اس تصویر کو فراڈ نہیں ثابت کر سکتا۔“

”آپ میری بات بھی تو سنئے۔“

”فرمائیے۔“ فریدی پھاڑ کھانے والے لہجے میں بولا۔

”یہ تصویر آپ کو ملی کہاں سے۔“

فریدی جیب سے لفافہ نکال کر اُس کے سامنے ڈالتا ہوا بولا۔ ”ملاحظہ فرمائیے۔ اس میں باپ کیا ہوا ایک خط بھی ہے۔“

حمید نے لفافے سے خط نکالا جس کا مفہوم یہ تھا۔

”تم دونوں کو آگاہ کیا جاتا ہے کہ اس معاملے کو یہیں ختم کر دو..... ورنہ مٹی پلید ہو جائے گی۔ تمہاری اگر یہ تصویر راجن تک پہنچ گئی..... راجن عرصہ سے اپنی بیوی سے چھٹکارا پانے کے لئے بہانہ تلاش کر رہا ہے۔ لیکن نمی اُسے نہیں چھوڑنا چاہتی..... وہ حمید پر چڑھ دوڑے گی۔ تمہاری نیک نامی بھی خاک میں مل جائے گی۔“

حمید نے مضمون کو کئی بار پڑھا..... سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ فریدی کو کس طرح اس سے اپنی لاطینی کا یقین دلا سکے گا۔

بالآخر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ”تو یہ لفافہ پرسوں ہی منیجر کو دیا گیا تھا؟“

”کیوں؟ کیا اس سے کوئی فرق پڑے گا؟“ فریدی نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔

”بالکل پڑے گا..... کیونکہ پرسوں تک میں راجن کو نہیں جانتا تھا۔“

”یہ لفافہ آج ہمارے یہاں پہنچنے سے ایک گھنٹہ قبل منیجر کو دیا گیا تھا؟“

”تب تو معاملہ صاف ہے۔“ حمید نے سنبھالا لینے کی کوشش کی۔

”تم سچ مجھے اس قابل نہ رہنے دو گے کہ کسی کو منہ دکھا سکوں۔“ فریدی نے غصیلے لہجے میں کہا۔

حمید کے ذہن پر پھر جھلاہٹ طاری ہو گئی۔ گردن جھٹک کر بولا۔ ”یہ تصویر میری ہے آپ کی نہیں۔“

”بکواس کی تو تھپڑ مار دوں گا..... بتاؤ کیا بات ہے؟“

حمید کچھ نہ بولا..... میز کی سطح پر نظر جمائے ہوئے پائپ میں تمباکو بھرتا رہا۔

”کیا تم بہرے ہو گئے ہو۔“

”نہیں..... میں کہتا ہوں آپ اس پر یقین کر لیجئے۔“ حمید نے تصویر کی طرف انگلی اٹھا کر کہا۔

”اچھی بات ہے..... میں براہ راست راجن ہی سے معلوم کر لوں گا۔“

”یہ تصویر ایسی تصویروں کا مجموعہ نہیں ہے جو تین ٹکٹوز سے کسی ایک جگہ منتقل کی گئی ہوں۔ لیکن اگر راجن اس مرض میں مبتلا ہوتا تو اس تصویر کے ساتھ مجھے اس قسم کی دھمکی نہ ملتی۔“

”کیسا مرض.....؟“

”مسکوا سکویا.....!“

”جہنم میں جائے..... مجھے بھوک لگی ہے۔ زیادہ سے زیادہ ملازمت جائے گی اور کیا.....“

کورٹ میں بھی دیکھا جائے گا۔ ہاں.....!“

فریدی نے کمین کا پردہ ہٹایا۔ ویٹر سامنے ہی تھا۔ اشارے سے بلا کر کھانے کی فہرست لکھوائی۔

ویٹر چلا گیا۔ دونوں ہی خاموش تھے۔ فریدی نے تصویر دوبارہ لفافے میں رکھ دی تھی اور

اب لفافہ پھر اُس کی جیب میں تھا۔

کھانا آیا اور خاموشی ہی سے ختم بھی ہو گیا۔ پھر کافی آئی۔ فریدی نے سگار سلگا کر کمین کا پردہ ایک طرف کھسکا دیا اور ہال میں بیٹھے ہوئے لوگوں کا جائزہ لیتا رہا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کچھ دیر پہلے کوئی بات ہی نہ ہوئی ہو۔

حمید بھی پائپ کے ہلکے ہلکے کش لیتا رہا۔ ویسے اُس کی الجھن بڑھتی جا رہی تھی۔ خواہ مخواہ بات بڑھا بیٹھا تھا۔ اصل واقعہ بیان کر دیتا لیکن کیا کرتا۔ بعض اوقات فریدی کا ایسا رویہ جیسے وہ کوئی نا سمجھ بچہ ہو اُسے جھنجھلاہٹ میں مبتلا کر ہی دیتا تھا۔

بہر حال اب وہ سوچ رہا تھا کہ کس طرح معاملہ ”برابر“ کیا جائے۔ دفعتاً کھار کر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ”اصل واقعہ یہ ہے.....!“

”ختم کرو۔“ فریدی نے ہاتھ ہلا کر کہا۔ ”اصل واقعہ راجن ہی سے معلوم کروں گا۔“

”یعنی آپ یہ تصویر اُسے دکھائیں گے۔“

”کیوں؟ کیا وہ بھی اس منظر کا ایک جزو نہیں ہے؟“

”وہ بیہوش تھا.....!“

”بہت اچھے..... اب نوبت یہ ایں جا رسید.....!“ فریدی طنزیہ انداز میں اُسے تعریفی نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔

”پوری بات تو سنئے۔“

”وہ خود ہی بیہوش ہو گیا ہوگا۔ تمہارے اس کارنامے پر۔“

”اگر آپ نے اُسے تصویر دکھا دی تو وہ یہی سمجھے گا کہ۔“

”کیا سمجھے گا۔“

”یہی کہ اُسے مورفا کا انجکشن میں نے ہی دیا تھا؟“

”اچھا تو یہ کارنامہ کسی اور نے انجام دیا تھا۔“

”میں اس کے متعلق اور کچھ نہیں جانتا.....!“

”اور تصویر کے بقیہ حصے کے بارے میں کیا خیال ہے۔“

”میں اس کے بارے میں بھی کچھ نہیں جانتا۔ کچھلی رات عجیب چکر میں گزری تھی۔“
 ”خیر بتاؤ..... میرے پاس ایسے ذرائع موجود ہیں، جن سے تمہارے بیان کی تصدیق ہو سکے گی۔“

حمید نے شروع سے کہانی چھیڑ دی۔ عجیب عالم تھا۔ داستان کے کسی حصے پر جھپٹتا اور کسی پر تاؤ دکھانے لگتا۔

اُس کے خاموش ہو جانے پر فریدی بھی کچھ دیر تک چپ ہی رہا پھر بولا۔ ”ایسی صورت میں اگر یہ تصویر راجن کے ہاتھ لگ گئی تو وہ یہی سمجھے گا کہ انکشن تم نے ہی دیا ہو گا۔ اپنی بیوی کے اس بیان پر ہرگز یقین نہیں کرے گا کہ تم اُس کے ساتھ ہی رہے تھے۔“

”میں تو کہتا ہوں کہ یہ خود راجن ہی کی حرکت ہے۔“ حمید میز پر ہاتھ مار کر بولا۔ ”اگر وہ اپنی بیوی سے چھکارا حاصل کرنا چاہتا ہے تو یہ بار اسٹاپ اُسی کا ترتیب دیا ہوا تھا جس طرح اس کام کے لئے مجھے پھانسا تھا اُسی طرح تصویر لینے کے لئے کسی اور کو بھی پھانسا یا ہو گا..... ہو سکتا ہے..... وہ بھی مردنگ کے ساتھیوں میں سے ہو۔ آپ یہ کیوں بھول جاتے ہیں کہ مردنگ بلیک میلر بھی ہے۔ ہو سکتا ہے راجن کی کوئی دھکتی ہوئی رگ اُس کے ہاتھ میں ہو۔ اُس نے راجن کو اس ڈرامے پر مجبور کر دیا ہو۔“

”اب تو سبھی کچھ ہو سکتا ہے۔“ فریدی طویل سانس لے کر بولا۔ ”تم نے مجھے بڑی دشواریوں میں ڈال دیا ہے..... خیر دیکھوں گا۔“

”تو آپ کو میری اس کہانی پر یقین آ گیا ہے؟“

”ہرگز نہیں۔“

”تو پھر.....؟“

”میں دیکھوں گا کہ اس میں کہاں تک صداقت ہے۔“

”خیر..... خیر..... اب اُس لاش کے بارے میں کیا خیال ہے..... کیا وہ جینی ہی کی

ہوگی۔“

”اس فکر میں مت پڑو..... تم گھر جانا چاہتے تھے نا..... جاسکتے ہو۔“

وہ کافی ختم کر چکے تھے۔ فریدی نے اشارے سے ویٹر کو بلا کر بل طلب کیا۔ اتنے میں ٹگر پرنٹ سیشن کے انچارج نے اطلاع دی کہ وہ وہاں اپنا کام ختم کر چکا ہے۔

حمید نے مزید الجھنا مناسب نہ سمجھا۔ اُسے توقع نہیں تھی کہ فریدی اتنی جلدی نرم پڑ جائے گا۔

بہر حال عافیت اسی میں نظر آئی کہ چپ چاپ وہاں سے کھسک ہی جائے۔ گھر جانے کی اجازت مل ہی چکی تھی۔

راتے میں نجی اور اُس کا سینٹھ یاد آیا۔ لیکن اب وہ فی الحال کسی دوسرے چکر میں نہیں پڑنا چاہتا تھا۔ اس وقت تو کچھلی رات کا ایڈنجر ہی ساری زندگی کے لئے کافی نظر آ رہا تھا۔ اگر وہ تصویر کسی طرح راجن کے ہاتھ لگ گئی تو اُسے شہر ہی نہیں بلکہ ملک چھوڑ کر بھاگنا پڑے گا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ آخر وہ کیسی بیہوشی تھی کہ ایسے حالات سے گزرنے کے باوجود بھی اُسے کسی بات کا احساس نہیں ہو سکا تھا۔ کیا نمی بھی اسی طرح بیہوش رہی ہوگی۔

”جنہم میں جائے۔“ وہ شانوں کو جنبش دے کر بڑبڑایا۔ ”دیکھا جائے گا۔ اس سے پہلے بھی نہ جانے کتنی دشواریوں میں پڑ چکا ہوں۔“

”کاری رفتار تیز نہیں تھی۔ اس الجھن سے پیچھا چھڑانے کے لئے اُس نے اپنے ذہن کو ادھر ادھر بھٹکنے دیا۔ اب وہ نجی کے متعلق سوچ رہا تھا اُسے اُس کا سینٹھ یاد آیا..... کتنی حسین زندگی ہے اُن کی بھی..... خود اتنے غلیظ اور متعفن اور کیسی کیسی گل انداماں نکھت بیز پر متصرف ہیں۔ ایک ہم ہیں نہ گھر کے نہ گھاٹ کے۔ جو کچھ بھی کر گزریں انہیں نہ کوئی کچھ کہنے والا اور نہ فوڈ انہیں کسی بات کا غم..... ایک ہم ہیں کہ کسی بلیک میلر کی ایک دھمکی ہی ہمیں محتاط ہو جانے پر مجبور کر دیتی ہے..... اب غالباً کرنل ہارڈ اسٹون صاحب اسی فکر میں غلطاں و پیچاں ہوں گے کہ کی طرح سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے..... ادھر وہ سینٹھ نو ندرل سانپ اور لاٹھی سمیت لگنا نہاتا رہتا ہے۔

پھر یک بیک اُس کا دماغ گرم ہو گیا۔ اور یہ کم بخت آخر اس کی حیثیت کیا ہے کچھ اس طرح بیوقوف بنا کر نکل جائے..... مردنگ کی کھال پھاڑنی ہی پڑے گی۔ دیکھنا ہے کہ اس تصویر ہی کے بل بوتے پر کیا بگاڑ لیتا ہے۔
اب کار کا رخ گھر کی طرف نہیں تھا۔

انکشافات

وہ سوچ رہا تھا جس نے بھی راجن کو مورفیا کا انجکشن دیا تھا وہ پہلے ہی سے اُس عمارت میں موجود تھا۔ اگر وہ اپنی بیوی سے چھٹکارا ہی پانا چاہتا ہے تو اُس کے لئے کسی غیر معروض آدمی کو آلہ کار بنانا سودمند ثابت ہوتا۔

”اچھا تو راجن بیٹے تم بھی کیا یاد کرو گے؟“ وہ زیر لب بڑبڑایا اور گاڑی کی رفتار تیز کر دی۔

گاڑی اسی ہستی کی طرف جارہی تھی جہاں راجن رہتا تھا۔
کمپاؤنڈ کا پھانک بند نہیں تھا۔ وہ گاڑی اندر لیتا چلا گیا۔ پورچ میں گاڑی روکی۔
برآمدے میں روشنی تھی۔

گھنٹی کے جواب میں خود راجن برآمدے میں آیا تھا۔ حمید نے اپنے چہرے پر دشتی کے آثار برقرار رکھے۔

”میں آپ سے خود ہی ملنے والا تھا۔“

”ہوں؟“

”نمی کہتی ہے کہ کافی پینے کے بعد اُس پر بھی غشی طاری ہو گئی تھی اور وہ بھی کرسی ہی پر سو گئی تھی۔ کیا چکر ہے..... ڈرائیور صبح سے غائب ہے۔ میرا خیال ہے کہ وہ بچھلی رات کو بھی اپنے کمرے میں نہیں تھا۔ اُس نے اپنے جن عزیزوں کے حوالے اور پتے دیئے تھے وہاں اُس نام کے لوگ کبھی تھے ہی نہیں۔“

حمید خاموشی سے اُسے گھورتا رہا۔

”اوہ اندر چلئے..... سردی بہت ہے۔ آپ سے بہت سی باتیں کرنی ہیں۔“ راجن بولا۔

حمید خاموشی سے اُس کے پیچھے چلتا ہوا ڈرائنگ روم میں آیا۔

”آپ کافی پیئیں گے..... یا چائے۔“ راجن بیٹھتا ہوا بولا۔

”اب کیا جہنم رسید کر دینے کا ارادہ ہے۔“ حمید غرایا۔

”اوہ..... تو کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ اس میں ہمارا ہاتھ تھا..... میں قسم کھانے کو تیار

..... آخر مورفیا کا انجکشن کس نے دیا تھا؟ آپ ہی بتائیے۔“

”مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں..... اور نہ میں اس لئے آیا ہوں۔“

”پھر فرمائیے..... میرے لائق کوئی خدمت.....!“

بچھلی رات ایک بجے ڈیوٹی پر تھا۔ غیر حاضری کی بناء پر مجھ سے جواب طلب ہو گیا ہے۔

ایضال ہے کہ شاید ملازمت سے بھی ہاتھ دھونا پڑے۔

”نہیں.....!“ راجن بوکھلا کر کھڑا ہو گیا۔ اس کے چہرے پر ندامت کے آثار صاف

لبھ جاسکتے تھے۔

”جی ہاں..... آپ کے اس ڈرامے نے میری مٹی ملید کر دی۔“

”میں کہتا ہوں..... وہ ڈرائیور..... یقیناً وہ کوئی فراڈ تھا۔ آخر اُس کے دیئے ہوئے

الے صبح کیوں نہ ثابت ہو سکے۔“

”جہنم میں گیا ڈرائیور.....!“ حمید صوفے کے ہتھ پر ہاتھ مار کر بولا۔ ”آپ اب اس



معالے کو دیکھئے۔“

”میں کیا بتاؤں..... میں کیا بتاؤں۔“ وہ مضطربانہ انداز میں بولا۔

”چلے..... چھٹی ہوئی۔“ حمید سر ہلا کر بولا۔ ”میں کہہ رہا ہوں کہ نہ صرف میری ملازمت جاری ہے بلکہ شاید میرے خلاف ایک بہت بڑا مقدمہ بھی قائم ہو جائے۔“

”اف فوہ..... میں بہت شرمند ہوں کیپٹن..... وہ کم بخت ڈرائیور نہ جانے کیا چاہتا تھا۔ اب مجھے یقین آ گیا ہے کہ اُس نے آپ لوگوں کو اس کمرے سے ہٹانے کے لئے لائبریری والے انسرومنٹ میں رنگ کیا ہوگا..... میں کیا کروں؟“

”اس پر بعد میں غور کیجئے گا کہ وہ کیا کرنا چاہتا تھا۔ فی الحال میرا مسئلہ سامنے رکھئے۔“

”جو کچھ بتائیے میں کرنے کو تیار ہوں۔ ارے بُری طرح ذلیل ہوا ہوں۔ نئی کوسب پکڑ کچ بچا دیتا پڑا..... اسی پکڑ میں کہ پتہ نہیں بعد میں کیا ہو۔ کیسی ذلت نصیب ہوئی ہے۔ کیسی ذلت نصیب ہوئی ہے۔ وہ الگ صبح سے منہ پھلائے ہوئے ہے۔ بتائیے میں آپ کے لئے کیا کر سکتا ہوں۔“

”شری متی جی کا تحریری بیان..... لیکن اب داستان کے اُس حصے کو اڑا ہی دینا پڑے گا کہ کسی نے آپ کو مورفیا کا انجکشن دیا تھا۔ اپنے بیان میں آپ یہی لکھیں گے کہ آپ کی وجہ سے اپنی کار میں بیہوش ہو گئے تھے اور میں نے آپ کو گھر تک پہنچایا تھا۔ آپ کی شری متی جی اپنے بیان میں لکھیں گی کہ مجھے پچھلی رات سے پہلے نہیں جانتی تھیں اور یہ کہ جب میں نے آپ کو گھر پہنچایا تو وہ سمجھیں کہ شاید آپ زیادہ پی کر بیہوش ہو گئے تھے اور میں آپ کا کوئی دوست ہوں جو آپ کو گھر لایا ہوں۔ پھر میں نے انہیں یقین دلانے کے لئے اپنا کارڈ دکھایا..... فون پر کسی نامعلوم آدمی کی گالیوں کا تذکرہ ضرور ہونا چاہئے..... اور یہ بھی کہ اس کی وجہ سے سب لوگوں کو تھوڑی دیر کے لئے آپ کے کمرے سے بھی چلا جانا پڑا تھا..... پھر آپ کی چیخ و کرب سب اس کمرے میں آئے تھے اور ٹھیک اس وقت ڈاکٹر بھی آ گیا تھا اور اُس نے بازو میں کسی تازہ انجکشن کے نشان کا تذکرہ کیا تھا اور مورفیا کا نام بھی لیا تھا۔ پھر وہ لکھیں گی کہ اس کے

مدانہوں نے مجھے کافی پیٹنے پر مجبور کیا تھا اور پھر سب نے کافی پی تھی..... اور اُس کے بعد اتنی لہری نیند آئی تھی کہ وہ کرسی ہی پر سو گئی تھیں۔“

”اس بیان سے کیا ہوگا.....؟“ راجن نے پوچھا۔

”میں اپنی بچت کے سلسلے میں پیش کر سکوں گا کہ کافی میں کوئی نشہ آور چیز تھی۔“

”تو پھر اس طرح تو ہم لوگ مجرم گردانے جائیں گے۔“

”ڈرائیور کے لئے آپ نے کیا کیا؟“ حمید نے جھنجھلا کر پوچھا۔

”حلقے کے تھانے میں اُس کی گمشدگی کی رپورٹ درج کرائی ہے، اس بیان سمیت کہ

اُس کے دیئے ہوئے حوالے غلط ثابت ہوئے ہیں۔“

”بالکل یہی ہونا چاہئے تھا آپ نے عقلمندی کا ثبوت دیا ہے۔ اب آپ کہہ سکیں گے کہ

”نی کونشہ آور بنانے میں اُسی کا ہاتھ تھا۔“

”میں خود بھی یہی سوچ رہا ہوں؟ مگر مقصد.....؟“

”مقصد؟“ حمید طویل سانس لے کر بولا۔ ”اس سے بڑا مقصد اور کیا ہوگا کہ بعض بہت

اہم سرکاری کاغذات میری جیب سے نکل گئے۔“

”میرے خدا.....!“ راجن پھر بوکھلا کر کھڑا ہو گیا۔

”بیٹھے بیٹھے..... میں آپ سے زیادہ پریشان ہوں۔“

”نئی نئی ملازموں کو بھی کافی پیٹنے کو کہا تھا۔ انہوں نے بھی پی تھی اور مختلف جگہوں پر

لگے تھے۔ چوکیدار پھانک کے قریب سوتا ہوا ملا تھا۔“

”کافی بنائی کس نے تھی۔“

”پانی شاید خود نمی نے رکھا تھا..... اور پھر یہاں سے ایک ملازم کو بھیجا تھا کہ وہ کافی بنا کر

کمرے میں لے آئے۔“

”بہت آسانی سے کوئی نشہ آور چیز ملائی جاسکتی ہے۔ اگر پانی رکھنے کے بعد کچھ دیر تک

مکمل خالی رہا تھا.....؟“

”بالکل رہا تھا جناب..... آخر یہ ڈرائیور چاہتا کیا تھا۔ گھر کی کوئی قیمتی چیز بھی غائب نہیں ہوئی۔“

”آپ اندازہ نہیں کر سکتے کہ میری جیب سے نکل جانے والے کاغذات کتنے اہم تھے۔“

”اب کیا ہوگا.....؟“

”اگر آپ نے میرے کہنے کے مطابق شری متی جی کا اور اپنا بیان دے دیا تو شاید میری بچت کی کوئی صورت نکل آئے ورنہ نہیں۔“

راجن نے خلاصانہ انداز میں اُسے یقین دلایا کہ ایسا ہی ہوگا۔



کچھ دیر بعد حمید کی گاڑی پھر راجن کی کوشی کی کمپاؤنڈ سے باہر نکل رہی تھی۔ اور وہ خام مگن تھا۔ اپنی مرضی کے مطابق دونوں سے بیانات لکھوائے تھے اور اُن پر اُن کے دستخط لے لئے تھے۔ سوچ رہا تھا کہ اب اگر کوئی بات سامنے آئی تو وہ اپنے بچاؤ کے لئے بھی کچھ کر سکے گا اور فریدی صاحب نے فرمایا تھا کہ تم گھر جاسکتے ہو۔ ہونہہ..... گویا ہم اتنے بدھو ہیں کہ واقعی گم جا کر آرام ہی فرماتے..... لیکن یہ ڈرائیور کون تھا۔ اس کے قد و جسامت کے متعلق راجن نے جو کچھ بھی بتایا تھا وہ مردگ پر پورا اُترتا تھا۔ رہی ڈاڑھی تو ظاہر ہے کہ وہ میک اپ کے بغیر کھلے بندوں پھر ہی نہیں سکتا تھا اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ یہاں راجن کے گھر کیا کر رہا تھا۔ اُس کی ملازمت بحیثیت ڈرائیور اُس دن سے پہلے نہیں شروع ہوئی تھی جب مردگ انہندہ جل دے کر نکل گیا تھا۔ راجن کے بیان کے مطابق وہ اُس دن سے ٹھیک ایک ماہ بعد اُس کے یہاں رکھا گیا تھا۔ خود کو مشرقی صوبے کا باشندہ ظاہر کیا تھا اور اس پر آمادہ ہو گیا تھا کہ دن رات کوشی ہی میں رہے گا۔ حوالے کے لئے اپنے بعض اعزہ کے نام اور پتے بھی لکھائے تھے؟

اُس کے بیان کے مطابق اسی شہر میں مقیم تھے۔ بعد میں یہ سارے حوالے غلط ثابت ہوئے۔ اگر وہ مردگ ہی تھا تو اُس نے بیک وقت پیلٹی کا ایک ادارہ بھی قائم کر رکھا تھا۔ مگر اس سے کیا فزنی پڑا۔ دفتر کی دیکھ بھال جینی کرتی رہی ہوگی۔ جینی کا خیال آتے ہی اُسے وہ لاش یاد آئی اور وہ جینی کے لئے مغموم ہو گیا۔ کتنی اچھی لڑکی تھی۔ اُس سے مل کر صرف ہمدردی ہی کا جذبہ ابھرتا تھا اور اُس بیچارے کو اس ناخجار سے ہمدردی تھی۔ ایک بار چھٹکارا پا جانے کے بعد پھر اسی کے جال میں جا پھنسی اور بالآخر اُس کے ہاتھوں ایسے انجام کو پہنچی۔ مردگ یقیناً پاگل ہے؟ درندہ ہے۔ اُس نے لڑکی کو کس طرح کاٹا اور بھینٹ دیا ہوگا..... کس بُری طرح وہ بلبلائی ہوگی۔ مگر نہیں پہلے گردن کاٹ دی ہوگی پھر چہرے کو ناقابل شناخت بنانے کے لئے اپنے دانتوں سے نوچا ہوگا۔

ایک ٹھنڈی سی لہر ریڑھ کی ہڈی میں دوڑ گئی اور وہ چونک پڑا۔ آخر یہ گاڑی کی رفتار کیوں کم ہوگئی؟ اُس نے اکیسلریٹر پر دباؤ ڈالا اور انجن رفتار بڑھانے کی بجائے ایک بے ہنگم سی آواز کے ساتھ بند ہو گیا۔ اُس نے اُسے دوبارہ اشارت کرنا چاہا لیکن انجن میں جنش تک نہ ہوئی۔ جھلا کر نیچے اُتر آیا اور آگے جا کر بونٹ اٹھا ہی رہا تھا کہ سر پر کسی وزنی چیز کی چوٹ پڑی..... سارا وجود جھنجھٹا اٹھا اور اُسی جھنجھٹا ہٹ کے ساتھ ہی یہ احساس بھی ذہن میں چکرا کر رہ گیا کہ اُس کی گاڑی ایک ویران اور نیم تاریک سڑک پر دھوکا دے گئی تھی۔

اندھیرا اور گہرا ہو گیا۔

دوبارہ آنکھ کھلی تو سر کی شدید ترین تکلیف کے علاوہ اور کسی قسم کا احساس باقی نہیں رہا۔ فدا آنکھیں کھلیں اور پھر بند ہو گئیں۔ عجیب طرح کی چکا چوند تھی جس کی متحمل نہ ہو سکیں۔ نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا کر اُس نے کراہنا چاہا لیکن آواز نہ نکلی۔ پھر ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی بولے بولے سر سہلا رہا ہو۔ اس کے بعد ہی ایک کھٹکتا ہوا سا قہقہہ سنائی دیا۔ بڑی پیاری اور مکمل اہل سے بھرپور آواز تھی۔ اس تکلیف کے عالم میں بھی حمید کا دل باغ باغ ہو گیا اور آنکھیں کھولے بغیر ہی اُس نے وہ ہاتھ اپنی گرفت میں لے لیا جو اُس کا سر سہلا تا رہا تھا۔

”قبر کے کنارے ہو..... ڈارلنگ.....!“ پھر اُسی قہقہے سمیت نسوانی آواز سنائی دی اور اُس نے بوکھلا کر آنکھیں کھول دیں۔ کیونکہ اس بار وہ اس آواز کو بخوبی پہچان سکا تھا۔ یہ نجی تھی۔ جو ایک کہنی ٹکے پر ٹیکے اُس پر چھکی ہوئی تھی۔

”تم..... تم..... یعنی کہ تم۔“

”ہاں..... ہاں..... میں..... مجھ سے بھاگ کر کہاں جاؤ گے..... کیا نجی راجن مجھ سے زیادہ حسین ہے۔“

حمید نے اٹھنے کی کوشش کی لیکن اُس نے سینے پر ہاتھ رکھ کر اٹھنے سے باز رکھا۔

”لیٹے رہو..... تمہارا سر پھٹ گیا ہے۔“ اُس نے کہا۔

”اور تم اس سازش میں شریک ہو..... کیوں؟“

”سازش..... کیسی سازش! تم نے میرے ساتھ چلنے کا وعدہ کیا تھا۔ اس کی بجائے تم نے راجن کے پاس چلے گئے۔ میں نے کہا اچھا اب کچھ دن میرے ساتھ بھی گزاریں۔“

”تو تم نے میرا سر پھاڑ دیا تھا؟“

”میں نے تو نہیں..... سر پھاڑنے والا اور کوئی تھا اور میں تو تمہیں بہت احتیاط سے یہاں اٹھالائی تھی۔“

”میری گاڑی میں کس نے گڑبڑ کی تھی۔“

”میں نے..... ٹینکی میں شکر ڈال دی تھی۔“

”آخر کیوں؟ تم سے بہت بڑا جرم سرزد ہوا ہے۔ جس کی سزا بھگتنی پڑے گی تمہیں۔“

”بھگت چکی ہوں۔ ڈگی میں بند ہو کر اتنی دور سفر کرنا میرے خیال سے دائم الحسب

سے بدتر ہے۔“

”اچھا..... اچھا..... دیکھو گا.....!“ حمید اس بار اٹھ ہی بیٹھا۔ سر پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔

چاروں طرف نظر دوڑائی۔ بڑی شاندار خواب گاہ تھی۔ عجیب سی خوشبو فضا میں رچی ہوئی تھی۔

اُس نے نجی کی طرف دیکھا۔ اس ماحول میں قیامت ہی لگ رہی تھی۔

”میں باہر جاؤں گا۔“ حمید نے لہجے میں درشتی پیدا کر کے کہا۔

”دروازہ کھل سکا تو ضرور جاؤ گے۔“

”میں دروازہ توڑ بھی سکتا ہوں۔“

”اگر زخم سے دوبارہ خون بہنے لگا تو ذمہ داری کس پر ہوگی۔“

وہ اُسے گھورتا رہا اور نجی اٹھلا کر بولی۔ ”واقعی بہت چالاک آفیسر ہو.....!“

اب حمید نے محسوس کیا کہ اُس کے جسم پر وہ لباس بھی نہیں ہے جو اُس نے پہن رکھا تھا۔

ایک بجائے ریشمی سلپنگ سوٹ نظر آیا۔

اُسے وہ کاغذات یاد آئے جو راجن کی کٹھی میں تیار کئے تھے۔

”میرے کپڑے کہاں ہیں.....؟“ اُس نے تیز لہجے میں پوچھا۔

”میں کیا جانوں؟“

”میرا لباس کس نے تبدیل کیا تھا.....؟“

”یہ بھی نہیں جانتی۔“

”پھر تم کیا جانتی ہو۔“

”یہی کہ اب میں سینٹھ کی اگلی بکچر میں ہیروئن بن سکوں گی۔“

”کیا مطلب.....؟“

جواب دینے سے قبل نجی نے اس طرح چاروں طرف دیکھا جیسے یہ نہ چاہتی ہو کہ کوئی

راؤن کی گفتگو سن سکے۔

”سنو..... اس وقت میں خود کو بالکل الو محسوس کر رہی ہوں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا

رہنمی ہوں۔ آج صبح اسٹوڈیو میں میں نے ہی تمہیں اپنی طرف متوجہ کیا تھا۔ تم غالباً سمجھے

گئے کہ تم نے مل بیٹھنے میں پہل کی تھی۔ میں لفٹ نہ دیتی تو یہ ناممکن ہو جاتا۔ ہمارا سینٹھ بظاہر

مؤثر آتا ہے لیکن ہے بڑا ستم ظریف..... اُسی نے مجھے بھیجا تھا کہ اس پولیس آفیسر پر ڈورے

الو اسے الو بنا کر جشن منائیں گے۔ دوسری بار تم خود ہمارے آفس میں آ پہنچے اور اُس نے

”جایا۔ مگر سب بے سود۔ پھر تمہارے ہوش میں آنے کا انتظار کرنے لگی۔“
 ”کیا یہ تمہارے سینٹھ ہی کی حرکت ہو سکتی ہے۔“
 ”شکر تو ٹنکی میں اسی نے ڈلوائی تھی۔“

”اس کا نام کیا ہے۔“

”ہزاری سینٹھ کہلاتا ہے۔“ اُس نے کہا اور خاموش ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ پھر ایک دروازے کی طرف بڑھتی ہوئی بولی۔ ”یہ باتھ روم ہے شائد۔ میں ابھی آئی۔“ قبل اس کے کہ جید کچھ کہتا وہ پنڈل گھما کر دروازہ کھول چکی تھی۔ پھر دروازہ بند بھی ہو گیا اور دوسرے ہی لمحے جید نے ایک گھٹی گھٹی سی چیخ سنی۔

وہ دروازے کی طرف جھپٹا۔

پنڈل پر زور آزمائی کرتا رہا لیکن اُس نے جنبش تک نہ کی۔
 کبھی دروازہ پیٹتا اور کبھی نجی کو آوازیں دینے لگتا۔



تیز قسم کی روشنی کا احساس ہی تھا جس نے ذہن کو جھنجھوڑ کر آنکھیں کھولنے پر مجبور کیا تھا۔ سورج آنکھوں کے سامنے تھا۔ آنکھیں تمللا گئیں اور وہ اٹھ بیٹھی۔ رات خواب گاہ کی شرعی کھڑکی غالباً کھلی رہ گئی تھی۔ اچھی خاصی دھوپ مسہری پر پھیلی نظر آئی۔ لیکن..... لیکن..... وہ اچھل پڑی اور بوکھلا کر چاروں طرف دیکھا۔ یہ اُس کی اپنی خواب گاہ تھی۔ لیکن وہ یہاں کیسے پہنچی کون لایا۔ وہ یادداشت پر زور دینے لگی۔ ٹھیک اُسی وقت کسی نے باہر سے دروازہ پیٹنا شروع کیا۔

وہ جھنجھلا کر نشست کے کمرے میں آئی۔ باہر کا دروازہ کھولا..... اور ٹھٹک کر رہ گئی۔

”تمہیں مدعو بھی کر دیا۔ میں سمجھی تھی تم ضرور آؤ گے میرے پاس..... لیکن تمہارے بجائے سینٹھ پہنچا اور اُس نے مجھے بتایا کہ تم نجی راجن کے پاس گئے ہو۔ وہ مجھے ساتھ لے کر راجن کی کونجی میں پہنچا۔ یہ نہیں کن راستوں سے لے گیا کہ راجن کے کسی ملازم سے بھی مدبھیر نہ ہوئی۔ اُسی نے کہا تھا کہ ٹنکی میں شکر ڈال کر خود ڈگی میں چھپ جاؤں۔ تم اپنی ڈگی مقفل کیوں نہیں رکھتے۔ بڑی آسانی ہو گئی تھی۔ لیکن جب اُس کے کسی آدمی نے تمہارا سر پھاڑ دیا تو مجھے تشویش ہوئی۔ کیا تم مجھے بتا سکو گے کہ ایسا کیوں ہوا ہے۔“

”یہ پھر بتاؤں گا..... تم بتاؤ کہ وہ پچھلی رات کہاں تھا۔“

”پتہ نہیں..... اسٹوڈیو میں تو نہیں تھا۔ آج صبح ہی صبح پہنچ گیا تھا۔ ویسے وہ اسٹوڈیو بہت

کم آتا ہے۔ پروڈکشن انچارج ہی سارا کام سنبھالتا ہے۔“

”ہوں..... اُوں.....!“ حمید نے طویل خاموشی لی۔

اب اُسے ایک بار پھر اُس کے سینٹھ کا حلیہ یاد آیا۔ جسامت اور قد کے اعتبار سے مردگ سے مختلف نہیں تھا۔ ری چہرے کی بناوٹ تو اُسے کوئی بھی مشاق میک اپ کرنے والا دوسری شکل دے سکتا تھا اور مردگ تو تھا ہی میک اپ کا ماہر۔

”لیکن ہم ہیں کہاں؟“ حمید نے نجی کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”یقین کرو، میں نہیں جانتی۔“

”یہ بڑی اچھی بات ہے کہ تم مجھے شروع ہی سے اُلو سمجھتی رہی ہو۔“

”یقیناً سمجھتی اگر تمہاری شہرت پہلے ہی نہ سن چکی ہوتی۔ دیکھو میں جھوٹ نہیں کہہ رہی۔

تمہیں بیہوش کر دینے کے بعد ایک دوسری گاڑی میں ڈال دیا گیا تھا۔ مجھے بھی اُسی پر بیٹھنے کو کہا گیا تھا۔ لیکن تمہارا حشر دیکھ لینے کے بعد میں اسے محض تفریح سمجھ لینے پر تیار نہیں تھی، اس لئے میں نے انکار کر دیا۔ لیکن ٹھیک اُسی وقت وہ میری طرف جھپٹا جس نے تمہارے سر پر ضرب لگائی تھی اور میرا گلہ گھونٹنے لگا۔ میں غالباً بیہوش ہو گئی تھی۔ ہوش میں آئی تو یہاں تم میرے برابر لیٹے تھے۔ میں نے اٹھ کر دروازہ کھولنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہی۔ آوازیں دیں..... شکر

”سیٹھ تم.....!“ اُس کے لہجے میں حیرت تھی۔

ہزاری سیٹھ سامنے کھڑا بسور رہا تھا۔

”یہ کیا کر دیا تم نے.....“ نجی بائی۔“ وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

”میں نے کیا ہے..... یا تم نے۔“ وہ جھلا کر چیخی۔

”ارے بابا..... دھیرے بولو۔“ وہ خنجرہ آواز میں کہتا ہوا اندر چلا آیا۔

”وہ پولیس آفیسر ہے۔ سمجھے۔“ نجی آنکھیں نکال کر بولی۔

”وہ تو ٹھیک ہے۔ مگر تم نے اُس کا کیا کیا..... میں جب وہاں پہنچا تو خالی گاڑی کھڑی

تھی۔ نہ تم ڈگی میں ملیں اور نہ وہ..... گاڑی میں۔“

”کیا بک رہے ہو..... تمہارے کسی آدمی نے اُس کا سر پھاڑ دیا تھا اور میرا گلا گھونٹ کر

مجھے بھی بیہوش کر دیا تھا۔ جب ہوش میں آئی تو دیکھا کہ میں اُس کے ساتھ ایک کمرے میں بند

ہوں۔ اُس کے سر پر پٹی بندھی ہوئی تھی اور وہ بھی بیہوش تھا۔ ہوش میں آیا تو مجھ پر برسنے لگا۔

پھر میں ہاتھ روم میں گئی اور وہاں کسی نے پھر میری گردن پکڑ لی..... اب ہوش آیا ہے۔ تو پھر

خود کو اپنے ہی فلیٹ میں پارہی ہوں۔ بتاؤ یہ سب کیا ہے۔“

”ہرے رام رے۔“ ہزاری سیٹھ دونوں ہاتھوں سے پیٹ پکڑ کر کہا۔

”میں کیا جانوں یہ سب کیا ہے..... میں نے تو ذرا سی مسخری کرنی چاہی تھی۔ پتہ نہیں

کون کیا کر گیا..... نہیں تم بھی مسخری کر رہی ہو۔“

”ارے سیٹھ ہوش میں آؤ۔ ایسے کام نہیں چلے گا۔ اگر تم نے زیادہ پریشان کیا تو سیدھی

پولیس اسٹیشن چلی جاؤں گی..... سمجھے۔“

”ارے نہیں نجی بائی۔ ایسی کٹھور نہ بنو۔ میں کچھ نہیں جانتا۔ میرے کو بالکل پتہ نہیں کہ کیا ہوا۔“

”تم نے مجھ سے وہ حرکت کیوں کرائی تھی۔“

”بس میں نے کہا ذرا دل لگی رہے گی۔“

”لیکن تمہیں کیسے پتہ چلا کہ وہ نجی راجن کے پاس گیا ہے۔“

”میرے کو اس کا نوکر بولا تھا۔ راجن بابو ہمارا دوست ہے۔ میں اُس سے ملنے کے

واسطے گیا تھا۔ نوکر بولا کپتان حمید صاحب ادھر آیا ہوا ہے..... بس میرے کو مسخری سوچھ گئی اور

بابا تم میرے کو وہ مکان بتاؤ جہاں تمہیں لے گئے تھے..... میں خود پولیس میں خبر کروں گا۔“

”مجھے نہیں معلوم کہ وہ مکان کہاں ہے۔ باہر سے نہیں دیکھا تھا۔“

”ہرے رام رے۔“ اس نے پھر پیٹ پکڑ لیا۔

”اب بتاؤ کیا ہوگا..... دھری رہ گئی ساری مسخری۔“ نجی آنکھیں نکال کر بولی۔

ہزاری سیٹھ اس طرح ہانپ رہا تھا جیسے پہاڑ پر چڑھنا پڑا ہو۔ نجی اُسے گھورتی رہی پھر

تھوڑی دیر بعد بولی ”سچ مچ بتاؤ کیا قصہ ہے ورنہ بھاگے راستہ نہ ملے گا۔ اُس کا چیف کرنل

فریدی بڑا خطرناک آدمی ہے۔“

”ہائے رام کیا کروں..... اچھا تم جاؤ کرنل پھر فریدی کے پاس.....!“

”میں کیوں جاؤں۔“

”پھر وہ تو پھانسی دے دے گا۔“

”میں کچھ نہیں جانتی..... اپنے سرائز نامہ لوں گی۔ یا تو تم مجھے کیپٹن حمید کا پتہ بتاؤ..... یا

پھر میرے ساتھ سیدھے کرنل فریدی کے پاس چلو۔“

”نہیں بابا..... نہیں بابا..... میرے کو نہ لے جاؤ۔“

”اگر صرف میں گئی اور بعد میں تم سرے سے مکر ہی گئے تو.....!“

”نہیں بابا..... نہیں مکرے گا..... کہو تو لکھ کر دے دیں۔“

”نجی اُس کی آنکھوں میں دیکھتی رہی پھر مسکرا کر بولی۔“ اچھی بات ہے۔ تم مجھے تحریر

دے دو کہ تم نے مجھے اس کام پر آمادہ کیا تھا لیکن تم نہیں جانتے کہ کیپٹن حمید کو کون لے گیا۔“

”لاؤ..... تاگز لکھ دوں۔“

”نجی نے اُسے اپنا رائیٹنگ پیڈ دیا اور وہ اس پر کچھ لکھنے لگا۔“



”بڑا عجیب نام ہے۔ سائنس فکشن؟“

”جی نہیں..... سائنس فکشن نہیں ہے۔ یہ فلمی ستاروں سے متعلق ایک جاسوسی کہانی ہے۔“

”لیکن تم مجھے کیا بتانے آئی ہو۔“

”مم..... میں نے سب کچھ بتا دیا ہے۔“

”سب سے اہم بات ابھی تک نہیں معلوم کر سکا۔“

وہ کچھ نہ بولی۔

فریدی چند لمحوں اُس کی طرف دیکھتا رہا پھر بولا۔ ”میں نہیں جانتا تھا کہ اس معاملے میں

تم ملوث ہو۔ پھر تم خود ہی مجھے کیوں اطلاع دینے چلی آئی۔“

”مذاق کی حد تک دوسری بات ہے جناب۔ لیکن اب میں نہیں سمجھ سکتی کہ کون سی فرد جرم

مجھ پر عائد ہوگی..... اور پھر سیٹھ نے بھی مجھے یہی مشورہ دیا کہ میں جس حد تک اس معاملے میں

ملوث رہی ہوں اُس کا اظہار کر دوں۔“

”تمہارا سیٹھ اس وقت کہاں ملے گا۔“

”یہ بتانا دشوار ہے۔ البتہ میں اُس کی رہائش کا پتہ بتا سکوں گی۔“ نجمی نے اپنا پرس

کھولتے ہوئے کہا اور ایک وزیٹنگ کارڈ نکال کر فریدی کی طرف بڑھا دیا۔

”ہوں ٹھیک ہے۔“ فریدی نے میز پر رکھی ہوئی گھنٹی بجائی۔ اردلی اندر آیا اُس نے کہا۔

”سارجنٹ رمیش کو بھیج دو۔“

رمیش کے آنے تک خاموشی رہی تھی۔ ویسے ایسا معلوم ہوتا رہا تھا جیسے نجمی کچھ اور بھی کہنا

چاہتی ہو۔ لیکن فریدی اُس کی طرف متوجہ نہیں تھا۔

”دیکھو..... انہیں لے جاؤ اور انگلیوں کے نشانات لے لو۔“ اُس نے رمیش سے کہا اور

نجمی سے بولا۔ ”اگر ضرورت سمجھی گئی تو تم سے مزید پوچھ گچھ کی جائے گی۔“

نجمی رمیش کے ساتھ چلی گئی۔

فریدی نے فون کا ریسپورڈ اٹھا کر کسی کو مخاطب کیا اور بولا۔ ”رپورٹ۔“

کرٹل فریدی نے ایک بار پھر اُسے سر سے پاؤں تک دیکھا۔ وہ آنکھیں نیچے کئے بیٹھی تھی۔

”ہوں..... تو تم نے خود ہی کیپٹن حمید کو اپنی طرف متوجہ کیا تھا.....؟“ اُس نے پوچھا۔

”جی ہاں.....!“

”لیکن کیوں؟“

”ابھی بتا چکی ہوں کہ ہزاری سیٹھ نے مجھے اس پر آمادہ کیا تھا.....؟“

”وہ کیا چاہتا تھا۔“

”مجھ سے صرف اتنا ہی کہا تھا کہ تھوڑی دل لگی رہے گی اور ساتھ ہی یہ بھی کہا تھا کہ اگر تم

کسی پولیس والے کو انو بنا کر دکھاؤ تب میں سمجھوں گا کہ بہترین اداکارہ ہو۔ پھر اگلی فلم میں

ہیروئن کا چانس بھی حاصل کر سکو گی۔“

”خوب.....!“ فریدی سر ہلا کر بولا۔ ”لیکن کل جن لوگوں کے بیانات لئے گئے تھے ان

میں کسی ہزاری سیٹھ کا نام نہیں ہے۔“

”اُس پر نظر نہ پڑی ہوگی آپ لوگوں کی۔“

”بچپلی رات وہ اسٹوڈیو ہی میں تھا۔“

”جی نہیں..... صبح آیا تھا.....؟“

”تو تمہیں یقین ہے کہ وہ اُسی کی حرکت ہوگی۔“

”اتنا چالاک نہیں معلوم ہوتا۔ پھر اُس کا مقصد کیا ہو سکتا ہے۔ اُسے اس سے کیا فائدہ

پہنچے گا۔“

”کون سی فلم بنا رہا ہے۔“

”فلم کا نام ’ستاروں کی چیخیں‘ ہے۔“

دوسری طرف سے آواز آئی۔ ”راجن بابو کے ڈرائیور کے کوارٹر سے اٹھائے ہوئے بعض نشانات سے پول ہوٹل والے نشانات سے مطابقت رکھتے ہیں اور یہ نشانات مردنگ کی انگلیوں کے نشانات کے علاوہ اور کسی کے نہیں ہو سکتے۔“

”ٹھیک ہے..... اچھا ریش ایک لڑکی کے منگ پرش لے رہا ہے۔ انہیں کیپٹن حمید کی کار سے لئے گئے منگ پرش سے ٹپلی کرنا ہے۔“

”دیری ویل سر.....!“ دوسری طرف سے آواز آئی اور سلسلہ منقطع ہو گیا۔

ریسیور رکھ کر فریدی اٹھا۔ کوٹ پہنا اور فلت ہیٹ پیشانی پر سنبھالتا ہوا آفس سے باہر نکل گیا۔



آج تیسرا دن تھا۔ کیپٹن حمید نے وہاں سے نکل بھاگنے کی کوشش میں خاصا وقت ضائع کیا تھا لیکن ابھی تک کامیابی نصیب نہیں ہوئی تھی۔

بہت بڑی عمارت تھی اور آہنی دروازوں نے اُسے گویا چوہے دان کی شکل دے دی تھی۔ ویسے وہ پوری عمارت میں گھومتا پھرتا تھا۔ کسی قسم کی پابندی نہیں تھی۔ دن میں کئی بار کافی طلب کرتا..... پرنس ہنری کا تمباکو بھی اُس کی فرمائش پر وافر مقدار میں مہیا کر دیا گیا تھا۔ اس وقت پائپ دانتوں میں دبائے آرام کرسی پر نیم دروازہ دوپہر کے کھانے کا منتظر تھا۔ دفعتاً کسی نے آہستہ سے دروازہ کھولا اور کھانے کی ٹرائی دکھائی دی۔ لیکن ٹرائی دھکیلنے والی پر نظر پڑتے ہی وہ اچھل پڑا..... اور وہ بھی سمٹ کر رہ گئی۔

یہ آشا تھی جس کے جسم پر چیتھڑے جھول رہے تھے۔ اتنا شکستہ لباس تھا کہ اپنی برنگی کو چھپانے کے لئے اُسے سمٹ جانا پڑا تھا۔ اچانک وہ چیخ چیخ کر رونے لگی۔ حمید بے حس و حرکت

کھڑا اُسے دیکھتا رہا۔ آخر مسہری کی طرف بڑھا اور چادر کھینچ کر اُس کی طرف پھینکتا ہوا بولا۔
”اے لپیٹ لو..... اور خاموش ہو جاؤ۔“
کچھ دیر بعد وہ فرش پر خاموش بیٹھی خلاء میں گھورے جارہی تھی۔ بستر کی چادر اُس کے گرد لپی ہوئی تھی۔

”کرسی پر بیٹھو!“ حمید نے نرم لہجے میں کہا اور وہ ایسے انداز میں حمید کی طرف دیکھنے لگی جیسے اُس کی بات سمجھ میں نہ آئی ہو۔

”کرسی پر بیٹھو!“ اس بار حمید نے کرسی کی طرف اشارہ بھی کیا۔

”نہیں.....!“ وہ خوفزدہ آواز میں بولی۔ ”اگر اُس نے دیکھ لیا تو چابک سے مارے گا۔“
”کس نے دیکھ لیا.....؟“

”مردنگ نے۔“

”کیوں مارے گا.....؟“

”آہستہ بولو.....!“ وہ ہونٹوں پر انگلی رکھ کر بولی۔ ”خدا کے لئے مجھے یہاں سے نکالو۔“
”نہ میں پاگل ہو جاؤں گی اور تم یہاں کیا کر رہے ہو۔“

”یہ تمہارا کیا حال ہے۔“ حمید نے حیرت سے کہا۔ ”وہ تو تم سے اس درجہ محبت کرتا تھا۔“
”بکواس ہے۔“ یک بیک آشا کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ کسی زخمی شیرنی کی طرح غرائی۔
”رندہ ہے..... مجھ سے ایک لڑکی کی خدمت لے رہا ہے۔ میں رات رات بھر اُس لڑکی کے گرد باتی ہوں..... لونڈیوں سے بدتر ہوں..... اگر انکار کرتی ہوں تو چڑے کے چابک سے مارا ہے..... لڑکی کا جھوٹا کھانا مجھے ملتا ہے۔ نہیں کھاتی تو مار پڑتی ہے۔“
”لڑکی کون ہے۔“

”وہ بیچاری تو بہت شریف ہے۔ میرے لئے روتی ہے۔ اکثر رات گئے مجھے اپنے ساتھ لی سلا لیتی ہے۔ وہ بھی مردنگ سے نفرت کرتی ہے لیکن اُس سے ڈرتی بھی بہت ہے۔ اپنی نفرت ظاہر نہیں ہونے دیتی۔“

”وہ اس وقت کہاں ہے؟“

”یہیں ہے۔ کچھلی رات وہ ہم دونوں کو یہاں لایا ہے۔“

”اٹھو میں اُسے دیکھنا چاہتا ہوں۔“

آشا ویسے ہی چادر لپیٹے کھڑی ہو گئی اور اُسے عمارت کے ایک دور افتادہ کمرے تک لائی۔
”جینی.....!“ حمید تھیر زدہ سی آواز میں چیخا اور کمرے میں بیٹھی ہوئی لڑکی بھی اچھل پڑی۔ وہ بُری طرح کانپ رہی تھی۔

”مم..... میں کچھ نہیں جانتی کیپٹن..... میں بے قصور ہوں۔ آپ آشا دیوی سے پوچھ لیجئے۔“
”ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔“ حمید سر ہلا کر بولا۔ ”میں سب کچھ سن چکا ہوں۔ ویسے میں تو یہی سمجھا تھا کہ اسٹوڈیو کے پارک میں پائی جانے والی لاش تمہاری ہی ہوگی، جسے پہلے آشا کی لاش سمجھا گیا تھا۔“

پھر کچھ دیر بعد حمید آشا کی کہانی سن رہا تھا۔

”یقین کرو کیپٹن! مجھے اطلاع ملی تھی کہ ڈائریکٹر نے اسٹوڈیو میں طلب کیا ہے..... اطلاع فون پر ملی تھی۔“

”لیکن تم نے اپنی نانی کو اس سے متعلق کچھ نہیں بتایا تھا۔“

”اُس وقت یہ کوئی ایسی اہم بات نہیں تھی کہ اُس کی وضاحت کرنے بیٹھتی۔ اسٹوڈیو پہنچ کر جب یہ معلوم ہوا کہ کسی نے غلط اطلاع دی تھی تو میں نے اُسی وقت واپسی مناسب نہ سمجھی۔ نانی پوچھتی ہی رہ گئیں۔ لیکن میں نے وجہ بھی نہ بتائی۔ اُس کی چھان بین کی عادت مجھے ہمیشہ غصہ دلا دیتی ہے اور مجھے ضدی ہو جاتی ہے کہ اس وقت اُن سے کوئی ڈھنگ کی بات نہ کروں۔ بہر حال ہم دونوں میک اپ روم میں لیٹ گئی تھیں۔ نانی جلد ہی سو گئیں۔ اُس وقت وہاں ہم دونوں کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ میں برآمدے میں آئی۔ میرے پاؤں گارڈ بھی وہاں موجود نہیں تھے۔ اتنے میں میں نے ایک اکسٹرا لڑکی لیکاکو عقبی پارک کی طرف جانے دیکھا اُس کے بعد ہی کیمرا مین بھی نظر آیا جو اُسی طرف جا رہا تھا۔ تجسس کا خط مجھ پر اس بُری طرح

سلا ہوا کہ میں بھی اُن کے پیچھے چل پڑی۔ انہیں جھاڑیوں کے اوٹ میں ہوتے دیکھا۔ میں بھی اُڑھ رہی لیکن۔ بس میرا دماغ جیسے ماؤف ہو کر رہ گیا تھا۔ اب سوچتی ہوں تو اپنی اس حماقت پر غصہ آتا ہے۔ آخر مجھے کیا ہو گیا تھا۔ بہر حال جیسے ہی جھاڑیوں کے قریب پہنچی کسی نے پیچھے سے حملہ کیا۔ منہ دبا کر جھٹکا جو دیا تو میں چاروں خانے چت زمین پر تھی۔ حملہ آور کی صورت دیکھنے کا بھی موقع نہ مل سکا۔ وہ میرا گلا گھونٹ رہا تھا۔ پھر کچھ بھی یاد نہیں میں بیہوش ہو گئی تھی۔“
حمید نے اُسے بتایا کہ وہاں ایک لاش ملی تھی جس کے جسم پر اُسی کے کپڑے تھے اور چہرہ ہار دیا گیا تھا۔ پھر صبح کو زخمی کیمرا مین بھی اسٹوڈیو میں آ کر مر گیا تھا۔

”وہ..... وہ لیکاکا ہی ہوگی۔“ آشا کا بپتی ہوئی آواز میں بولی۔ ”میرا ہی جیسا قد تھا جسم بھی ایسا ہی رکھتی تھی۔ رنگت بھی میری ہی جیسی تھی۔ یقیناً لوگ دھوکا کھا گئے ہوں گے۔“

”میرا خیال تھا کہ وہ تمہاری لاش ہوگی۔“ حمید نے جینی سے کہا وہ کچھ نہ بولی۔ برسوں کی بیمار معلوم ہو رہی تھی۔ دفعتاً انہوں نے ایک چیخ سنی اور بے ساختہ دروازے کی طرف مڑے۔ دروازے کے سامنے آشا کی نانی کھڑی تھی اور غالباً آشا ہی کو دیکھ کر جینی تھی۔ اس کے پیچھے حمید کو وہ عورت بھی نظر آئی جو لاش کی کارروائی شناخت کے وقت آشا کی نانی کے ساتھ تھی۔ آشا نانی کی طرف جھپٹی۔ بوکھلاہٹ میں اُس کے جسم سے چادر بھی گر گئی تھی۔

اب دونوں ایک دوسری سے چٹٹی ہوئی بُری طرح رو رہی تھی۔ دوسری عورت کو حمید علیحدہ لے جا کر اُسے سے پوچھنے لگا کہ وہ کیسے پہنچیں۔ قبل اس کے کہ وہ کچھ کہتی ایک بھاری بھر کم اور گونگنا ہتھ پتھر سنائی دیا۔

حمید چونک کر مڑا۔ ایک کمرے کی سلاخوں دار کھڑکی کے پیچھے مردنگ مضحکہ انداز میں ڈانٹ لگا لے کھڑا تھا۔ حمید اُس کمرے کے دروازے کی طرف جھپٹا۔ لیکن وہ بند تھا۔ وہ اُس پر زور صرف کرنے لگا۔ مردنگ کی آواز پھر سنائی دی جو کہہ رہا تھا۔ ”خواہ مخواہ جھک مار رہے ہو بخود دار..... سامنے آؤ۔“ حمید جھلاہٹ میں پھر کھڑکی کی طرف پلٹ پڑا۔

”باہر نکلو..... اگر مردانگی ہے کچھ تم میں۔“ اس نے اُسے لاکارا۔

جا پہنچی تو وہ بھی سمجھیں گے کہ آشا فریدی ہی کے جنون کا شکار ہوئی ہوگی۔ ایک ٹھنڈی سی لہر اس کے سر سے پیر تک دوڑ گئی۔ کیا اس کمال کا زوال اسی صورت میں رونما ہوگا کہ ایک حقیر سا فلی منسرہ ان کی لاشوں پر قہقہے لگا رہا ہو۔ اوہ خدایا..... ایسا عبرتناک انجام.....!“

دفعاً مردنگ پھر بولا۔ ”میں بہت خوش نصیب ہوں۔ جس دن آشا کو اڑا لے جانے کا پلان تیار کیا تھا اُسی دن نہ جانے کتنے راستے میرے لئے کھل گئے۔ تم اتفاقاً نبی راجن کے یہاں جا پہنچے جہاں میں پہلے ہی سے ڈرائیور کے بھیس میں موجود تھا۔ میں نے کہا چلتے چلاتے تمہیں بلیک میل کرنے کا مواد بھی فراہم کر بی لوں۔ کافی میں نشہ آور دواملانے کے بعد جو کچھ بھی ہوا اُس کی تصویر تو تم دیکھ ہی چکے ہو۔ فون پر میں نے ہی نبی راجن کو گالیاں دی تھیں تاکہ تم سب دوسرے کمرے میں چلے جاؤ اور میں راجن کو انجکشن دے کر اُس کی بیہوشی کی مدت بڑھا سکوں۔ وہاں سے فرصت پا کر آشا کے لئے نکل کھڑا ہوا۔ میں نے ہی اُسے فون پر شوٹنگ کی اطلاع دی تھی۔ یقین تھا اسٹوڈیو سے اُسے اٹھالے جانے میں کامیاب ہو جاؤں گا۔ وہاں دوسرا ہی کھیل نظر آیا۔ غالباً آشا تمہیں اُس کے بارے میں بتا چکی ہوگی۔ وہ جھاڑیوں کے اندر جمنا ہی رہی تھی کہ میں نے بہ آہستگی اُس پر قابو پالیا۔ پھر اُس وقت یہ اسکیم بھی ذہن میں کلبلائی کہ کیوں نہ آشا کو مردہ ہی باور کرایا جائے۔ اس طرح میں سکون سے زندگی بسر کر سکوں گا۔ مجھے علم تھا کہ تمہارا حکم میرے سرحد پار کر جانے پر یقین کر چکا ہے۔ بہر حال میں نے آشا کو بیہوش کر دینے کے بعد تیرکا اور اُس کمرہ میں پر بھی قاتلانہ حملے کئے۔ اپنی دانست میں تو کمرہ میں کو ختم ہی کر چکا تھا اس لئے نہایت اطمینان سے لیتکا کا چہرہ بگاڑا اس سلسلے میں اپنے دانست بھی استعمال کرنے پڑے۔ یہ اس لئے اور بھی کیا کہ وہ کسی اذیت پسند جنسی جتونی کی حرکت معلوم ہو۔ بہر حال اب آشا یہاں ہے اور ساری زندگی اپنے غرور کی سزا اُسے بھگتی پڑے گی۔ جینی کی زرخیز کینروں کی زندگی بسر کرے گی۔ اور جینی..... رحل جینی جسے اپنے بدبو دار لباس سے ہمدردی تھی زندگی بھر عیش کرے گی۔“

”نن..... نہیں..... باس۔“ دفعاً جینی مردہ سی آواز میں بولی۔ ”ان سب کو چھوڑ دو۔ خدا

”نہیں سرکار.....!“ مردنگ نے ہاتھ جوڑ کر دانت نکال دیے۔ ”میں نامرد ہی بھلا۔ ہاتھ پائی کی قوت نہیں رکھتا۔ البتہ ذہنی لڑائی میرا پسندیدہ مشغلہ ہے۔ اب تمہارے گرو کرمل فریدی کا مختصر ہوں۔ وہ بھی تمہاری ہی طرح آچھنے گا اور پھر اُس کی ایک ایسی ہی تصویر آشا کے ساتھ لی جائے گی جیسے تمہاری نبی کے ساتھ لی گئی تھی۔ پھر میں تم دونوں کو قتل کر دوں گا اور یہ دونوں تصویریں تمہارے محکمے کو بھجوا دی جائیں گی۔“

بوڑھی عورت جو حمید کے ساتھ تھی پاگلوں کی طرح چیخنے لگی اور دوسرے کمرے سے ساری عورتیں باہر نکل آئیں۔

مردنگ پر نظر پڑتے ہی آشا کی نانی کلکا کلکا کر کوٹنے لگی۔

”نانی ڈارلنگ..... تمہیں تو اب سچ سچ مر ہی جانا چاہئے۔ فکر نہ کرو بڑے معزز آدمیوں کے ساتھ دفن کروں گا..... ذرا قریب آؤ تمہیں تمہاری آخری آرام گاہ بھی دکھا دوں۔“

حمید کھڑکی کے قریب ہی کھڑا تھا۔ لیکن کوشش کرنے کے باوجود بھی اس کا ہاتھ مردنگ کی گردن تک نہ پہنچ سکا۔ کیونکہ کھڑکی کی سلاخوں کا درمیانی فاصلہ بہت کم تھا۔ مردنگ نے مڑ کر ٹین کے ایک بہت بڑے صندوق کی طرف اشارہ کیا۔ بلاشبہ یہ اتنا ہی بڑا تھا کہ چار لاشیں با آسانی سما جاتیں۔

”ہوں.....!“ حمید تھوڑی دیر بعد غرایا۔ ”تو تم ہمیں مار ڈالو گے۔“

”صرف تم دونوں کی وجہ سے دو بوڑھی عورتیں بھی مرجائیں گی تاکہ آشا کی کہانی ہمیشہ کے لئے دفن ہو جائے۔ وہ آشا ہی کی لاش سمجھ لی جائے گی اور پھر جب فریدی غائب ہو جائے گا تو اُس کی اور آشا کی تصویر کیا گل کھلائے گی تمہارے محکمے میں۔ بولو..... جواب دو۔“

حمید سوچ میں پڑ گیا۔ اگر وہ اپنی اسکیم کو عملی جامہ پہنانے میں کامیاب ہو گیا تو کس حد تک غلط فہمیاں پیدا ہو سکیں گی۔ خود اُس کے متعلق تو سبھی جانتے تھے کہ رنگین مزاج آدمی ہے اور فریدی کے بارے میں اُس کے ساتھی اکثر کہا کرتے تھے کہ کہیں اس کا تجرد اُسے کسی دن جنسی جنون تک نہ لے جائے۔ اگر اُس کے متعلق کوئی اس قسم کی تصویر اُس کے آفیروں تک

کے لئے جانے دو۔ چاہے میرے جسم کا ریشہ ریشہ الگ کر دیتا۔“
پھر وہ کسی ننھی بچی کی طرح رونے لگی۔

”تم سچ پاگل ہو۔“ حمید مردنگ کی طرف ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”محض اتنی سی بات کے لئے کہ تم دو عورتوں کو دو مختلف حالات میں دیکھنا چاہتے تھے یہ سب کچھ کر گزرے ہو۔ مجھے حیرت ہے۔“

”ہم سب پاگل ہیں کیپٹن حمید۔“ مردنگ مسکرا کر بولا۔ ”تمہیں حیرت نہ ہونی چاہئے۔ محض کچھ دیر کی واہ وکیلے لوگ موت کے منہ میں چھلانگ لگا دیتے ہیں۔ ہر شخص ذاتی آسودگی کی تلاش میں سرگرداں ہے۔ خواہ اُس کی راہ جہنم ہی سے کیوں نہ گذرتی ہو۔ کیا سمجھے۔“
مردنگ کھڑکی کی سلاخیں پکڑے ان کی طرف رخ کئے کھڑا تھا۔

دفترا حمید نے دیکھا کہ ٹین کے بڑے صندوق کا ڈھکن اٹھ رہا ہے۔ پھر وہ بالکل زاویہ قائمہ کی شکل اختیار کر گیا۔ کرنل فریدی صندوق میں کھڑا مسکرا رہا تھا۔ یہ سب اتنی ہی آہستگی سے ہوا کہ مردنگ کو خبر تک نہ ہوئی۔

وہ پھر بولا۔ ”فریدی اپنے آفسروں کو متحیر کر دینے کے خط میں مبتلا ہے۔ اس خط کے لئے جان کی بازی لگا دیتا ہے۔“

”مثال کے طور پر اسی وقت دیکھ لو۔“ اچانک فریدی بولا۔

مردنگ بوکھلا کر مڑا۔ حمید نے تو اُس کے چہرے پر سراسیمگی ہی کے آثار دیکھے تھے۔ لیکن اُس نے مڑتے مڑتے ریوالور بھی نکال لیا تھا۔ کمرے میں فائر کی آواز گونج کر رہ گئی۔ حمید نے فریدی کو صندوق میں گر تے دیکھا۔

پھر مردنگ نے حیرت انگیز پھرتی کے ساتھ صندوق کے قریب پہنچ کر اُس کا ڈھکن گرا دیا تھا اور اب خود اُس کے اوپر کھڑا تھقبہ لگا رہا تھا۔ حمید اُس کے ہاتھ میں ریوالور دیکھ کر کھڑکی کے سامنے سے ہٹ گیا۔

چاروں عورتیں دم بخود کھڑی تھیں۔

حمید کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اُسے کیا کرنا چاہئے۔ ایک بار پھر اُس نے بند دروازے پر زور آزمائی شروع کر دی۔ لیکن ناکام رہا۔
دفترا اندر سے کسی وزنی چیز کے گرنے کی آواز آئی۔ ساتھ ہی کسی کی کراہ بھی سنائی دی۔
حمید پھر کھڑکی کی طرف جھپٹا۔

اس بار پھر فریدی صندوق میں کھڑا نظر آیا..... اور مردنگ سامنے والی دیوار کے قریب زلزلہ پر پڑا پھر سے اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ فریدی نہایت اطمینان سے صندوق سے نکل کر مردنگ کے قریب آیا اور اس کی گردن دبوچ کر سیدھا کھڑا کرتے ہوئے ریوالور چھین لیا۔ پھر فیل اس کے کہ مردنگ لپٹ پڑنے کی کوشش کرتا کر پر ایسی لات رسید کی کہ وہ اچھل کر آدھے دھڑ سے منہ کے بل زمین پر جا گرا۔ دوسری ٹھوکراُسے پوری طرح صندوق میں لے گئی اور ڈھکن بند کر دیا گیا۔ کٹدی بھی چڑھا دی گئی۔

یہ سب کچھ اتنے اطمینان سے ہوا جیسے اسے حسب معمول یونہی ہونا تھا۔ مردنگ اندر سے صندوق بیٹ پیٹ کر کچھ کہہ رہا تھا لیکن الفاظ حمید کی سمجھ میں نہ آ سکے۔

فریدی نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا اور وہ سب اندر گھس آئے۔ آشا کی نانی بلبل بلبل کر فریدی کی بلائیں لے رہی تھی۔

دفترا جھنی صندوق کی طرف جھپٹی۔ لیکن فریدی نے اُس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

”چھوڑ دیجئے۔ خدا کے لئے اُسے چھوڑ دیجئے۔“ وہ روتی ہوئی بولی۔

”کیا تم پاگل ہو گئی ہو۔“ حمید نے حیرت سے کہا۔ ”کیا سچ اُس کی آلہ کار تھیں؟“

”نہیں۔ وہ پاگل ہے۔ اُس پر رحم کیجئے..... خدا کے لئے چھوڑ دیجئے۔“ پھر شدت گریہ سے اُس کی آواز گھٹ کر رہ گئی۔

فریدی یک یک بے حد سنجیدہ نظر آنے لگا۔





دوسرے دن شام کو وہ برآمدے میں بیٹھ کافی پی رہے تھے۔ پچھلے دن سے اب تک صرف اسی وقت مل بیٹھنا نصیب ہوا تھا۔

”اب اُس صندوق میں میرا دم گھٹ جائے گا۔ خدا را کچھ تو کہئے۔“ حمید بولا۔

”میرا خیال ہے کہ کچھ اُس کا دماغ الٹ گیا تھا۔“ فریدی نے کہا۔ ”ورنہ تو تاپو توڑ ایسی حماقتیں نہ کرتا۔“

”میں نہیں سمجھا۔“

”ہمیں نمی راجن والی تصویر بھیج کر یہ سمجھ بیٹھا تھا ہم دونوں ہی وہاں دوڑے چلے جائیں گے۔ لیکن میں چاہتا تھا کہ تم تو ضرور ہی جاؤ۔ لہذا میں نے تمہیں گھر جانے کی اجازت دے دی حالانکہ اچھی طرح جانتا تھا کہ تم اپنی گردن بچانے کی فکر میں اسی وقت راجن کے گھر دوڑے جاؤ گے۔ اس طرح مجھے تمہاری نگرانی کرانے کا موقع مل گیا۔ مردگ نے بحیثیت ہزاری سیٹھ بد معاشوں کی ایک بہت بڑی ٹولی تیار کر رکھی تھی اور اُس سے کام لے رہا تھا۔

راجن کے گھر سے واپسی کے وقت تمہاری گاڑی کے پیچھے تین گاڑیاں تھیں۔ دو اُن بد معاشوں کی اور تیسری میں رمیش اور امر سنگھ تھے۔ لیکن اُس وقت اُن سے غلطی ہو گئی جب اُن گاڑیوں میں سے ایک میں تمہیں اور بیہوش نمجی کو ڈالا گیا تھا۔ دونوں گاڑیاں مختلف سمتوں میں گئیں تھیں۔ وہ غلطی سے اُس گاڑی کے پیچھے لگے رہے جس میں تم دونوں نہیں تھے۔ بہر حال اس طرح اُن کے ایک ٹھکانے کا پتہ تو معلوم ہو ہی گیا۔“ فریدی نے خاموش ہو کر سگار سلگا لیا اور پھر نمجی کے متعلق بتانے لگا۔

”آخر اُس نے اسے آپ کے پاس کیوں بھیجا تھا۔“ حمید نے پوچھا۔

”محض اس لئے کہ میں نمجی کے متعلق شے میں مبتلا ہو کر اُس کا تعاقب شروع کر دوں اور وہ میرا تعاقب کرتا رہے۔ پھر کہیں موقع پا کر مجھے بھی اُس طرح بے بس کر دے، جیسے تمہیں کیا

تھا۔ میں نے اُسے مایوس نہیں کیا۔۔۔۔۔ نمجی کا تعاقب کیا۔ لیکن ہوشیار ہو کر۔ پچھلی رات اُس کی فلم ”ساروں کی چیخیں“ کی شوٹنگ بھی دیکھی تھی۔ ریلوے یارڈ میں ٹرین پر ڈاکہ پڑنے کا منظر فلمایا جا رہا تھا۔ کئی فلم اسٹار چیختی ہوئی ایک کپارٹمنٹ سے باہر آ گئی تھیں اور انہوں نے ڈائریکٹر سے شکایت کی تھی کہ کوئی کپارٹمنٹ میں کچھ چھپا ہوا تھا۔ جس نے اُن پر دست درازی کی کوشش کی تھی۔ غالباً یہ اس لئے ہوا تھا کہ میں جھپٹتا ہوا اس کپارٹمنٹ میں جا گھسوں گا اور مردگ میرے سلسلے میں اپنی اسکیم کو عملی جامہ پہنا سکے گا۔ لیکن میں نے اپنی جگہ سے جنبش بھی نہ کی۔ اب کل کا قصہ سنو۔ اُس عمارت کی نگرانی تو ہو ہی رہی تھی جہاں سے اُس رات رمیش اور امر سنگھ نے ان بد معاشوں کا تعاقب کیا تھا۔ کل رمیش نے اطلاع دی کہ ہزاری سیٹھ اُس عمارت میں موجود ہے۔۔۔۔۔ میں ایسے میک اپ میں تھا کہ جو آسانی سے ختم بھی کیا جاسکے۔ وہاں جا پہنچا۔ ایک ٹرک کھڑا نظر آیا جس پر وہی صندوق رکھا جا رہا تھا اور ہزاری سیٹھ ڈرائیور کے پاس اگلی نشست پر براجمان تھا۔ ٹرک چل پڑا میں موٹر سائیکل پر تھا۔ بہ آسانی تعاقب جاری رکھ سکا۔ اُس عمارت کے سامنے بے پناہ جھاڑ جھکاڑ ہے۔۔۔۔۔ اُسی کے درمیان ٹرک روک کر وہ اندر چلا گیا تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ کہیں صندوق آشا اور جینی کی منتقلی کے لئے نہ استعمال کیا جائے۔ بہر حال وہ ایک طرح کا جوابی تھا کہ میں صندوق میں جا لینا۔ تھوڑی دیر بعد وہ کچھ آدی ساتھ لایا جو اُس صندوق کو اٹھا کر عمارت میں لے گئے۔“

فریدی خاموش ہو کر بچا ہوا سگار سلگانے لگا۔

حمید نے پوچھا۔ ”تو کیا آپ نے وہ لاش جینی کی ماں کو بھی دکھائی تھی۔“

”ضرورت ہی نہیں سمجھی تھی۔۔۔۔۔ اُس کے ہاتھ پیر جینی کے سے بھی نہیں تھے۔“

”نمجی کو کس خانے میں فٹ کیا جائے گا۔“

”وہ گواہ کی حیثیت سے پیش ہوگی۔۔۔۔۔ نادانستگی میں اُس کی آلہ کار بنی تھی اور ہاں میں اُس تصویر کا نگینو بھی حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا جو تمہیں روسیہ بنا دیتی۔ اس کے علاوہ بھی بلیک میلنگ کا بہت سا مواد ہاتھ لگا ہے۔ جس کا تعلق ملک کے بہترے بڑے آدمیوں سے

ہے۔ اس بار یہ کجخت بیک وقت تین رول ادا کر رہا تھا۔ راجن کے ڈرائیور کا..... سنساریلٹی بیوریو کے مالک کا اور سینٹھ ہزاری کا۔“

وہ کچھ اور بھی کہنے والا تھا کہ حمید ”ارے“ کہہ کر اچھل پڑا۔ فریدی نے بھی گردن گھمائی۔ جینی پھانک سے گذر کر برآمدے کی طرف دوڑی آ رہی تھی۔ پورچ میں رک کر ہانپتی رہی پھر ہاتھ جوڑ کر گھگھکیائی۔ ”چھوڑ دیجئے..... خدا کے لئے اُسے چھوڑ دیجئے۔ وہ صرف پیار کا بھوکا ہے۔ ایک ایسا بچہ جسے اُس کی ماں منہ نہ لگاتی ہو..... چھوڑ دیجئے..... رحم کیجئے۔“ اور پھر وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

فریدی اور حمید خاموش کھڑے ایک دوسرے کی شکل دیکھتے رہے۔

تمام شد